ترمیم شدہ ایڈیشن
احکامِ مزارعت
کھیتی باڑی کی قدیم اور معاصر صورتیں، باغات کی خرید وفروخت اور
منڈی میں لین دین کی متنوع شکلیں اور ان کے شرعی احکام کی تفصیل
تالیف
مفتی عُبَیدالرحمن صاحب عفی عنہ
مفتی دارالافتاء جامعہ محمدیہ مایار مردان
دار ابن مسعود
نہر چوک پارہوتی مردان
0315-9037159

# مزارعت، باغات اور منڈی

# کے مسائل واحکام

تالیف

مولانا عبید الرحمن عفی عنہ

# فہرست عنوانات

| عنوان | صفحہ نمبر |
| --- | --- |

# عرضِ مؤلف

دین داری اور بے دینی میں رزق وکمائی کا بھی خاصا دخل ہوتا ہے، حلال کمائی سے اچھے جذبات، نیک ارادے اور بھلے اخلاق جنم لیتے ہیں جبکہ حرام کھانے سے سفلی جذبات، گناہ کے خیالات اور برے اخلاق کی آبیاری ہوتی ہے، پھر کمائی کے تین اہم اور بنیادی ذرائع ہیں: تجارت۔ حرفت وصناعت۔ زراعت۔ دورحاضر میں ان تینوں ذرائع کسب میں حرام صورتوں کی بھر مار ہے،موجودہ صورت حال اس حدیث شریف کا مصداق بن چکی ہے کہ:

عن أبي هريرة رضي الله عنه، عن النبي صلى الله عليه وسلم، قال: «يأتي على الناس زمان، لا يبالي المرء ما أخذ منه، أمن الحلال أم من الحرام».

ترجمہ:"حضرت ابوہریرۃ η سے روایت ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ انسان یہ پرواہ نہیں کرے گا کہ کیا چیز اس نے حاصل کی؟ آیا یہ چیز حلال ہے یا حرام؟"[1]

تجارت وصناعت کے متعلق کافی قابل قدر کام ہوا ہے،اگر کوئی شخص ان ابواب میں دینی احکام پر عمل کرنا چاہتا ہے تو اس کے لئے اتنا مواد موجود ہے جس کی بدولت وہ آسانی کے ساتھ اپنی ضرورت پوری کرسکتا ہے، لیکن زراعت کے باب میں ایسی کوئی جامع تحریر کافی تلاش کے باوجود نہیں مل سکی ،اس لئے ارادہ کیا کہ اس باب کے ضروری اور اہم مسائل کو یکجا کرلیا جائے تاکہ مسلمان زمیندار وکاشت کار کے لئے رہنمائی کا کام دے اور

---

[1] صحيح البخاري،كتاب البيوع، باب من لم يبال من حيث كسب المال، رقم الحديث: ٢٠٥٩.

اگر وہ چاہے کہ اپنی اس ذریعہ آمدنی کو دینی قالب میں ڈال کر رزق وکمائی کا وسیلہ بھی بنائے اور ثواب وتقرب الٰہی کا ذریعہ بھی، تو یہ مختصر سا کتابچہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کیلئے مفید ثابت ہوجائے، اس خیال سے یہ چند صفحات سیاہ کئے، ویسے تو یہ کتابچہ تقریباً تین سال پہلے ہی مکمل ہوا تھا لیکن طباعت کی نوبت ابھی ہوئی۔

مزارعت کے ساتھ عشر وخراج کا بھی تعلق ہے اوراس کے مسائل واحکام بھی بیان کرنے ضروری تھے لیکن چونکہ اس پر پہلے سے کافی کچھ کام کیا گیا ہے، اس لئے اس کتابچہ میں عشر کے مسائل لکھنے کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی ، ضرورت ہو تو متعلقہ مستند کتب کی طرف مراجعت فرمائی جائے، قارئین کی خدمت میں درخواست ہے کہ اگر اس میں کوئی علمی، فقہی یا کسی بھی قسم کا کوئی سقم سامنے آئے یا اس کے علاوہ کوئی قابل اصلاح پہلو معلوم ہوجائے تو ضرور اس ناکارہ کو مطلع فرماکر شکریہ کا موقع دیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ اس رسالہ کو قبول فرمائیں اوراس کی برکت سے پوری اُمت مسلمہ میں زراعت اور اس سے متعلق دیگر شعبہ جات کو دینی واسلامی قالب میں ڈالنے کا کامیاب سلسلہ جاری فرمائیں۔آمین

ناکارہ :عبید الرحمن عفی عنہ

2صفر42ھ

# بابِ اوّل

## مزارعت کے بیان میں

- مزارعت کا حکم
- مزارعت کے فضائل
- مزارعت کی شرائط
- مزارعت کی کچھ جائز و ناجائز صورتیں
- مزارعت سے متعلق کچھ متفرق مسائل

## فضائلِ زراعت

زراعت بھی تجارت کی طرح کمائی کا ایک پاکیزہ طریقہ ہے،لہٰذا احادیث مبارکہ میں جو کچھ فضائل حلال کمائی کے بیان ہوئے ہیں، وہ سارے فضائل زراعت پر بھی حاصل ہوں گے،مثلاً:

۱۔حلال کمائی اللہ کی راہ میں لڑنے کی طرح ہے۔ جو شخص حلال کمائی کی وجہ سے تھک کر رات گزارتاہےوہ اس حال میں رات گزارتاہے کہ اللہ اس سے خوش ہوتاہے۔(شعب الایمان ج۲ص۴۳۸)

۲۔ حضرت رافع بن خدیج η کی روایت ہے کہ:

«قيل: يا رسول الله، أي الكسب أطيب؟ قال: " عمل الرجل بيده، وكل بيع مبرور".رواه أحمد

ترجمہ:" کسی نے حضورﷺ سے سوال کیا کہ کونسی کمائی زیادہ بہتر ہے ؟ حضورﷺ نے جواب دیا کہ انسان کےاپنے ہاتھ کی کمائی اور ہر اچھی خرید وفروخت (زیادہ بہتر اور عمدہ ہے)"[1]۔

ہاتھ کی کمائی میں جس طرح تجارت وصناعت داخل ہے یوں ہی زراعت کو بھی یہ شامل ہے بلکہ تجارت کی بنسبت زراعت میں یہ معنی زیادہ پایا جاتا ہے، اس لئے زراعت اس فضیلت میں بطریق اولیٰ داخل ہے۔

۳۔حضرت انس بن مالک η روایت کرتے ہیں کہ حضورﷺ نے ارشادفرمایا:

---

[1] مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، كتاب البيوع، باب أي الكسب أطيب؟ ج ٤ ص ٦٠.

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: " إن قامت على أحدكم القيامة، وفي يده فسيلة فليغرسها ".[1]

ترجمہ: اگر تم میں سے کسی پر قیامت آجائے جبکہ اس کے ہاتھ میں کھجور کا چھوٹا پودا ہو تو چاہئے کہ اس کو بوئے۔"

۴۔حضرت کعب بن عجرہ η روایت نقل کرتے ہیں کہ میں حضور ﷺ کے سامنے سے گزر رہا تھا (جبکہ آپ ﷺ صحابہ کرام کے ساتھ تشریف فرما تھے) اور صحابہ کرام کو نشاط کی حالت میں دیکھا، پھر انہوں نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ کاش کہ یہ (کعب) اللہ کے راستے میں ہوتا! حضور ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا کہ "اگر یہ اپنے چھوٹے بچوں کے خرچ و کمائی کے لئے نکلا ہے تو اللہ کے راستہ میں ہے اور اگر اپنے عمر رسیدہ والدین کے خرچ و کمائی کے لئے نکلا ہے تو (بھی) اللہ کے راستہ میں ہے، (بلکہ) اگر اپنے آپ پر خرچ و کمائی کے لئے نکلا ہے تاکہ نفس کو پاکیزہ رکھے تو (بھی) اللہ کے راستہ میں ہے اور اگر فخر کرنے اور دکھلاوے کے ارادے سے نکلا ہے تو شیطان کے راستہ میں ہے۔"[2]

## تجارت بہتر ہے یا زراعت

تجارت اور صناعت کی بنسبت زراعت میں اللہ تعالیٰ پر یقین و توکل کی نوبت زیادہ پیش آتی ہے، نیز تجارت وغیرہ کی طرح زراعت میں ناجائز معاملات اور شرعی احکام کی خلاف ورزی کے مواقع بھی کم پیش آتے ہیں، اس لئے بہت سے علماء و محدثین نے زراعت

---

[1] مسند أحمد، رقم الحديث: ١٢٩٠٢، ج٢٠ص٢٥١ ط الرسالة.

[2] مجمع الزوائد، ج ٦ ص ٦٢٥ ،رقم الحديث ٧٧٠٩

کو تجارت ،صناعت وغیرہ سے افضل قرار دیا خصوصاً جس زمانہ میں مسلمانوں کو اس کی ضرورت زیادہ ہو۔ علامہ ماوردی اور علامہ نووی τ کا بھی یہی موقف ذکر کیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر ρ فرماتے ہے کہ:

" اہل علم کا اس بات میں اختلاف ہے کہ بہتر کمائی کونسی ہے؟ علامہ ماوردی فرماتے ہیں کہ کمائی کے اصل ذرائع تین ہیں: زراعت۔ تجارت۔ صناعت ، اور میرے نزدیک ان میں سے زیادہ بہتر ذریعہ معاش زراعت ہے، کیونکہ یہ توکل کے زیادہ قریب ہے۔

امام نووی ρ نے حضرت مقدام η کی ایک حدیث کی بنیاد پر لکھا ہے کہ بہتر ذریعہ معاش ہاتھ کی کمائی ہے ،پھر اگر وہ زراعت ہو تو وہ سب سے بہتر ہے، کیونکہ اس میں ہاتھ کی کمائی بھی ہے،توکل بھی ہے،انسانوں اور جانوروں کا نفع بھی ہے"۔[1]

علامہ عینی ρ نے امام نووی صاحب ρ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ بہتر ذریعہ معاش زراعت ہے۔[2]

فقہاء احناف میں سے امام محمد ρ فرماتے ہیں:

ثم اختلف مشايخنا رحمهم الله في التجارة والزراعة قال بعضهم التجارة أفضل.. وأكثر مشايخنا رحمهم الله على أن الزراعة أفضل من التجارة لأنها أعم نفعا فبعمل الزراعة يحصل ما يقيم المرء به صلبه ويتقوى على

[1] فتح الباري،ج٤ ص ٣٠٤.

[2] عمدة القاري،ج١٢ ص١٥٥.

الطاعة.[1]

ترجمہ: "تجارت اور زراعت کے متعلق ہمارے مشائخ کی آراء مختلف ہیں (کہ ان میں سے افضل کونسا ہے؟) بعض نے کہا کہ تجارت افضل ہے جبکہ ہمارے اکثر مشائخ کا موقف یہ ہے کہ زراعت، تجارت سے بہتر ہے کیونکہ اس کا نفع زیادہ ہے۔"

زراعت کی ایک خاص فضیلت یہ بھی ہے کہ اگر چرند وپرند بھی کچھ غلہ کھائے، یا کوئی کم نصیب غلہ میں سے کچھ چوری بھی کرے تو بھی اللہ تعالٰی کی طرف سے اس کا ثواب ملتا ہے، چنانچہ ایک حدیث شریف میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عن جابر، قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم:ما من مسلم يغرس غرسا إلا كان ما أكل منه له صدقة، وما سرق منه له صدقة، وما أكل السبع منه فهو له صدقة، وما أكلت الطير فهو له صدقة، ولا يرزؤه أحد إلا كان له صدقة.

"کوئی بھی مسلمان جب کچھ بوتا ہے تو جو کچھ اس سے کھایا جاتا ہے وہ صدقہ ہے، جو کچھ اس سے چوری کیا جاتا ہے وہ صدقہ ہے، درندیں اور پرندے جو کچھ اس میں سے کھاتے ہیں وہ سب صدقہ ہے اور جو کوئی شخص اس میں سے کچھ نقصان کرتا ہے وہ (بھی) صدقہ ہے۔" [2]

حضرت ابو ایوب انصاری η سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

" ما من رجل يغرس غرسا إلا كتب الله له من الأجر قدر ما يخرج من

---

[1] الكسب،ص:٦٤.

[2] مسند أحمد، ٢٣٥٢٠،ج٣٨ص ٥٠٣.

ثمر ذلك الغراس.[1]

ترجمہ: "جو بھی شخص کچھ اگاتا ہے تو اس سے جس قدر پھل نکلتا ہے اللہ تعالیٰ اتنا ہی اس کو اجر دیدیتا ہے۔"

## مزارعت کا پس منظر اوراس کے بارے میں وارد ممانعت کی وضاحت

حضور ﷺ اور خلافت راشدہ کے دور میں مزارعت کا معاملہ رائج تھا، کئی صحابہ کرام φ مزارعت پر زمین لیا دیا کرتے تھے، اہل خیبر کے پاس خود حضور ﷺ نے مزارعت پر خیبر کی زمین دی چھوڑی تھی، حضرت رافع بن خدیج وغیرہ بعض صحابہ کرام φ سے متعدد ایسی روایات منقول ہیں جن میں مزارعت سے ممانعت کی گئی ہے، اس کی وجہ سے بعض اہلِ علم نے بھی مزارعت کو ناجائز قرار دیا ہیں ، لیکن خود ان حضرات کی تمام روایات اور اس کے تمام تر طرق کو جمع کرنے سے واضح ہوجاتا ہے کہ مزارعت کے ہر معاملہ سے منع کرنا مقصود نہیں تھا بلکہ اس کی کچھ خاص صورتوں سے روکنا مقصود تھا جو شرعی اصول وضوابط کے خلاف اس زمانہ میں رائج تھیں، مثلاً:

**الف۔** نہر اور نالی کے کنارے جو غلہ پیدا ہوتا تھا، معاملہ میں اس کی شرط لگائی جاتی تھی کہ اس خاص جگہ کا پیداوار میرا ہوگا باقی کاشتکار کا۔ اسی طرح بسااوقات لم

---

[1] مسند أحمد ، ٢٣٥٢٠،ج٣٨ص ٥٠٣ .

سم مقدار مقرر کی جاتی تھی کہ مثلاً مجھے بہر حال دس من گندم دینا ہو گا، خود حضرت رافع η کی بعض روایات میں اس کا رواج ذکر کیا گیا ہے جبکہ ممانعت کی روایت بھی آپ ہی سے منقول ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں ہے:

حدثني حنظلة بن قيس الأنصاري، قال: سألت رافع بن خديج عن كراء الأرض بالذهب والورق، فقال: «لا بأس به، إنما كان الناس يؤاجرون على عهد النبي صلى الله عليه وسلم على الماذيانات، وأقبال الجداول، وأشياء من الزرع، فيهلك هذا، ويسلم هذا، ويسلم هذا، ويهلك هذا، فلم يكن للناس كراء إلا هذا، فلذلك زجر عنه، فأما شيء معلوم مضمون، فلا بأس به».[1]

ب۔اس زمانے میں مزارعت کے معاملات میں نزاعات زیاد ہونے لگے تھے،اس باب میں مشغولیت کی فضاء بڑھ گئی تھی اور اس کی وجہ سے جہاد وغیرہ ضروری امور میں کافی خلل آنے کا خدشہ تھا، اس لئے ممانعت کی گئی۔

ج۔ بعض اہلِ علم نے بظاہر متعارض نصوص کو دیکھ کر ممانعت والی نصوص کی یہ توجیہ فرمائی ہیں کہ ان میں جو"نہی" کی گئی ہے یہ نہی تحریم کے لئے نہیں تھی بلکہ تنزیہ کے لئے فرمائی گئی کہ اس وقت یہ کام قرین مصلحت نہیں ،اور اس وقت یہی مناسب تھا۔

امام طحاوی ρ نے اس موضوع سے متعلق مختلف روایات کو جمع

---

[1] صحيح مسلم،رقم الحديث: ١٥٤٧.

کرنے کے بعد یہی نتیجہ نکالا ہے کہ جن روایات سے مزارعت کی ممانعت ظاہر ہوتی ہے ان میں خود مزارعت کی نہی مقصود نہ تھی بلکہ اس کی بعض فاسد صورتوں کی ممانعت مقصود تھی ، علامہ ملطی ρ آپ کی ذکر کردہ بحث کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

والنهي عن كراء الأرض بالثلث والربع وعن المزارعة بجزء مما يخرج منها لمعنى آخر كانوا يدخلونه في العقد فيفسد به العقد لا أن المزارعة في نفسها فاسدة إذا زال عنها ذلك الفساد وأخبر رافع ابن عمر أن عمومته قالوا: أن رسول الله صلى الله عليه وسلم نهى عن كراء المزارع فقال ابن عمر: قد علمنا أنه كان صاحب مزرعة يكريها على عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم على أن له ما في ربيع الساقي الذي يفجر منه الماء وطائفة من التبن لا أدري ما هو فعلم أن فسادها بسبب هذا الشرط.[1]

امام محمد بن حسن شیبانی ρ نے بھی ممانعت والی نصوص کے یہی محامل بیان فرمائے ہیں۔(ملاحظہ ہو:"کتاب الاصل، کتاب المزارعۃ، ج9ص521)

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب ρ اس کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:

وقد اختلف الرواة في حديث رافع بن خديج اختلافا فاحشا، وكان وجوه التابعين يتعاملون بالمزراعة، ويدل على الجواز حديث معاملة أهل خيبر، وأحاديث النهي عنها محمولة على الإجارة بما على الماذيانات أو قطعة معينة، وهو قوله رافع رضي الله عنه، أو على التنزيه والإرشاد وهو

---

[1] المعتصر من المختصر من مشكل الآثار،في المساقاة٢،جص ٥٨.

قول ابن عباس رضي الله عنهما، أو على مصلحة خاصة بذلك الوقت من جهة كثرة مناقشتهم في هذه المعاملة حينئذ، وهو قول زيد رضي الله عنه والله أعلم.[1]

## زراعت کی مذمت والی احادیث کا محمل

بخاری وغیرہ کتب حدیث میں ہے کہ :

لا يَدخل هذا بيت قوم إلا أُدخِله الذلُّ.

ترجمہ: "یہ چیزیں (زراعت کے آلات) کسی قوم کے گھر میں داخل نہیں ہوتی مگر اس میں ذلت ورسوائی داخل کی جاتی ہے۔"

اس سے بعض اوقات یہ سمجھا جاتا ہے کہ زراعت کرنا اور آلات زراعت ساتھ رکھنا مطلقا مذموم اور ذلت ورسوائی کا موجب ہے، حالانکہ یہ بات ان تمام فضائل کے خلاف ہے جو زراعت کے متعلق وارد ہیں۔اسی طرح یہ بات مشاہدہ کے بھی خلاف ہے چنانچہ زراعت کرنے والے ہمیشہ ذلیل ورسوا نہیں ہوتے بلکہ شریعت کی تعلیمات وہدایات کے مطابق کاشت کاری اور کھیتی باڑی کرنے والے بہت سے لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے عزت وعظمت سے بھی نوازا۔اس لئے محدثین کرام نے اس حدیث کے متعدد محمل بیان فرمائے ہیں جس کا بڑا حاصل یہ ہے کہ یہ مذمت ہر زراعت کی نہیں ہے بلکہ ذلت اس زراعت کا نتیجہ ہوتا ہے جس میں مسلمان اس حد تک مشغول ہو جائے کہ اس میدان میں بھی شرعی احکام وحدود کی پرواہ نہ رہے اور

---

[1] حجة الله البالغة، قبل مبحث "الفرائض"،ج۲ص ۱۸۱ .

اس کے علاوہ دیگر احکام ومسائل سے بھی غفلت برتے۔

حضرت ملا علی قاری ρ اس حدیث کی شرح میں تحریر فرماتے ہیں:

قال التوربشتي: " وإنما جعل آلة الحرث مذلة للذل لأن أصحابها يختارون ذلك إما بالجبن في النفس، أو قصور في الهمة، ثم إن أكثرهم ملزومون بالحقوق السلطانية في أرض الخراج، ولو آثروا الخراج لدرت عليهم الأرزاق واتسعت عليهم المذاهب، وجبى لهم الأموال مكان ما يجبى عنهم. قيل: قريب من هذا المعنى حديث " «العز في نواصي الخيل والذل في أذناب البقر» "، وقال بعض علمائنا من الشراح: " ظاهر هذا الحديث أن الزراعة تورث المذلة، وليس كذلك لأن الزراعة مستحبة لأن فيها نفعا للناس، ولخبر: «اطلبوا الأرض من جثاياها» ; بل إنما قال ذلك لئلا يشتغل الصحابة بالعمارات وبترك الجهاد فيغلب عليهم الكفار. وأي ذل أشد من ذلك. وقيل: هذا في حق من يقرب العدو لأنه لو اشتغل بالحرث وترك الجهاد لأدى إلى الإذلال بغلبة العدو عليه.[1]

خلاصہ یہ ہے کہ ان جیسی احادیث مبارکہ میں خود زراعت کی مذمت یا ممانعت کرنا مقصود نہیں ہے بلکہ اس میں اس درجہ شغل وانہماک کی مذمت کرنا مراد ہوتا ہے جو شرعی احکام وتعلیمات پر عمل کرنے میں رکاوٹ ثابت ہوجاتا ہے، اور اس قدر انہماک صرف زراعت میں مذموم نہیں ہے بلکہ سیاست وتجارت ہو یا صناعت وپیشہ ،مسلمان دنیا کے جس کام کو بھی اس حد تک مقصودیت کا درجہ دیدیتا ہے جو اس کے لئے دین پر عمل

[1] مرقاۃ المفاتیح شرح مشکاۃ المصابیح،باب المساقاۃوالمزارعۃ،ج٥ص١٩٨٩ .

پیرا ہونے میں مانع بن جائے، سب یوں ہی مذموم ہے اور سب کا نتیجہ یہی ہے جو اس حدیث مبارکہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ انجام کار ذلت و رسوائی مقدر بن جاتی ہے۔

حضرت عمر فاروق η نے بالکل سچ فرمایا کہ:

إنا كنا أذل قوم فأعزنا الله بالإسلام فمهما نطلب العزة بغير ما أعزنا الله به أذلنا الله.[1]

ترجمہ: "ہم ذلیل ترین لوگ تھے تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں دین اسلام کے ساتھ عزت بخشی، اب جب بھی اس راستہ کے علاوہ عزت تلاش کریں گے جس میں ہمیں اللہ تعالیٰ نے عزت دی تھی (یعنی حصولِ عزت کے لئے دین اسلام کے علاوہ کوئی راستہ ڈھونڈیں گے) تو اللہ تعالیٰ ہمیں ذلیل کر دے گا۔"

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسولِ ہاشمی

## مسلمان کاشت کار اور اس کے امتیازی صفات

حرفت و تجارت ہو یا زراعت و کاشت کاری، ان میں سے کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جو اسلام یا مسلمانوں کے ساتھ مخصوص ہو بلکہ کوئی بھی انسان تاجر بھی بن سکتا ہے اور کاشت کار بھی، عملی طور پر ہر میدان میں مسلمانوں کی طرح غیر مسلم لوگوں کی بھی کوئی کمی نہیں ہے، البتہ دین اسلام چونکہ ایک کامل و مکمل ضابطہ حیات ہے اور ساتھ مثالی و فطری بھی،

---

[1] المستدرك على الصحيحين للحاكم، كتاب الإيمان، ج١ ص ١٣٠.

اس لئے یہ اپنے پیروکاروں کو کسی بھی میدان میں بے یار ومددگار چھوڑتا ہے نہ ہی اس کی بروقت اور بالکل درست رہنمائی سے کبھی غفلت برتتا ہے،اس لئے انسانی زندگی کے دیگر تمام شعبوں کی طرح زراعت اور کاشت کاری کے میدان میں بھی اس دینِ کامل نے مسلمانوں کو بہت کچھ سنہرے تعلیمات سے روشناس فرمایاہے۔ در حقیقت یہی وہ نکتہ امتیاز اور خط فاصل ہے جو مسلمان فر د ومعاشرے کو عملی میدان میں غیر مسلم افراد ومعاشروں سے ممتاز رکھتا ہے ،یہی وہ نفیس جوہر ہے جس کی پابندی کرنے کی بدولت زراعت وکاشتکاری جیسی چیزیں، جو بظاہر کاروبارِ دنیا سمجھے جاتے ہیں ، محض شغل دنیا ہی نہیں رہ پاتے بلکہ فکرِ عقبیٰ کا حصہ بن کر اجر وثواب کا موجب بنتے ہیں ، کسی نے بالکل سچ کہاکہ" ہم خرما اور ہم ثواب"۔

قرآن وسنت کی تعلیمات سے واضح معلوم ہوتا ہے کہ ایک کامیاب کاشت کار اور کامل مسلمان کے لئے درجِ ذیل چھ (6) باتوں کی پابندی کرلینی چاہیۓ اور جو کاشت کار ان تمام باتوں کی پوری پوری رعایت رکھتا ہے وہ صحیح مثالی مسلمان کاشت کار ہے، وہ چھ باتیں درج ذیل ہیں:

## نیت کی درستگی

اللہ تعالیٰ نے حضرتِ انسان کو جو جسم وزندگی عطاء فرما رکھی ہے یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک عظیم نعمت اور اہم امانت ہیں، اس نعمت وامانت کو برقرار ومحفوظ رکھنے کے لئے اور ساتھ اپنے والدین، بیوی اور بچوں کے ضروری نان ونفقہ برداشت کرنے کے لئے بقدر ضرورت کمائی

کرنا شرعاً لازم ہے، احادیثِ مبارکہ میں بھی اس کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ اس لئے مسلمان کاشت کار اگر چاہے کہ اپنی اس کاشت کاری کی محنت کو بھی ثواب کا ذریعہ بنائے تو وہ اپنی اس محنت میں یہی نیت کرے کہ حلال کمائی سے یہ شرعی ذمہ داریاں نبھاؤں گا۔

اس کے ساتھ اگر دیگر اچھی نیتیں بھی جمع ہوجائیں تو زہے قسمت۔ بہت سے سلفِ صالحین کا یہی معمول رہا ہے کہ وہ ایک ایک عمل میں متعدد نیتیں جمع فرماتے تھے تاکہ نیکی اور ثواب میں اضافہ ہو۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ کاشت کار درجِ بالا نیت کے ساتھ ساتھ یہ نیتیں بھی جمع کرے کہ:

**الف:** غلہ مہیا کرکے مسلمانوں کو راحت و نفع پہنچانا۔

**ب:** چرند وپرند کیلئے چارے کھانے کا انتظام کرنا، کہ میری اس کھیتی سے پرندے بھی کچھ کھائیں گے اور وہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہے تو ان کو بھی نفع پہنچا لینا چاہئے۔

**ج:** عشر کی ادائیگی کی نیت ، کہ کاشتکار ی کی بدولت اس شرعی فریضہ کو ادا کرنے کی نوبت نصیب ہوجائے گی۔

**د:** جائز ومفید کاموں میں مصروف رہ کر گناہوں، مخرب اخلاق خرابیوں اور دیگر فتنوں سے محفوظ رہ جاؤں گا۔

**ر:** زمین کی ملکیت یا جسمانی طاقت اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے تو شکر وامتنان کے جذبے سے مفید کاموں میں اس نعمت کو خرچ کرنا ۔

## کاشت کاری کا معاملہ درست ہو

کوئی شخص اپنی ذاتی زمین میں خود ہی کچھ کاشت کرنا چاہے تو مضائقہ نہیں ہے۔ لیکن اگر زمین ایک کی ہو اور محنت دو سرے کی، (جس کو اجارہ یا مزارعت کہاجاتا ہے) تو اس صورت میں دونوں کے درمیان ضرور کوئی عقد طے ہوگا، اس عقد کا شریعت کے مطابق ہونا بھی ضروری ہے۔ بہت مرتبہ دیکھاجاتا ہے کہ اسلامی احکام سے غفلت یا جہالت کی وجہ سے نیت نیک کے باوجود معاملہ میں کوئی شرعی خرابی رہ جاتی ہے، مسلمان کاشت کار کے لئےاس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔ رہا یہ قضیہ کہ زراعت کا کونسا عقد جائز ہےاور کونسا ناجائز؟ اور ناجائز ہونےکے اسباب وعناصر کیا کیا ہیں؟ تو اس کی تفصیل اسی مختصر کتابچے میں ذکر کی جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

## معاملہ کی پابندی

نیت کی درستگی اور معاملہ کو درست طریقے سے انجام دینےکے بعد تیسرا مرحلہ یہ ہے کہ اگر معاملہ شریعت کے مطابق ہے اور اس میں کوئی شرعی سقم موجود نہ ہو تو مسلمان کاشت کار اس کی پوری پابندی کرے،ا س میں کسی طرح کوتاہی وغفلت کا شکار نہ ہو، کیونکہ ایسا کرنا خیانت و دھوکہ دہی ہے جو کسی مسلمان کےشایانِ شان نہیں ہے۔ اور اگر خود معاملہ ہی شریعت کے مطابق نہ ہو تو اس کو ختم کرکے ازسرِ نو شرعی احکام کے مطابق کوئی جائز معاملہ انجام دیں ۔

## شریعت کی پابندی

اسلامی و مثالی طریقہ کے مطابق کاشت کاری کا چوتھا مرحلہ یہ ہے کہ زمیندار اور کاشت کار ،دونوں اس بات کا لحاظ رکھیں کہ اس پورے معاملے میں شرعی احکام وتعلیمات کی پابندی کریں، عقد کرنے کے وقت سے لیکر غلہ حاصل ہوجانےاور تقسیم کرتے وقت تک کسی شرعی ضروری حکم کی خلاف ورزی نہ کریں۔ مثال کے طور پر نماز ،روزہ کی پابندی کریں ، پیداوار میں سے عشر یا نصف عشر کی ادائیگی کا پورا اہتمام کرے، ایک دوسرے کے حقوق کا پورا لحاظ رکھے ۔قرآن کریم میں کچھ سعادت مند لوگوں کی صفات بیان کرتے ہوئےارشاد فرمایاگیا ہے کہ:

رِجَالٌ لَا تُلْهِيهِمْ تِجَارَةٌ وَلَا بَيْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ وَإِقَامِ الصَّلَاةِ وَ إِيتَاءِ الزَّكَاةِ يَخَافُونَ يَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِيهِ الْقُلُوبُ وَالْأَبْصَارُ [النور: ٣٧]

ترجمہ:" ایسے آدمی جنھیں سوداگری اور خریدو فروخت اللہ کے ذکر اور نماز کے پڑھنے اور زکوٰۃ کے دینے سے غافل نہیں کرتی اس دن سے ڈرتے ہیں جس میں دل اور آنکھیں الٹ جائیں گی۔"

"شریعت کی پابندی"میں یہ بھی داخل ہے کہ کاشت کار کے توکل واعتماد کا قبلہ درست ہو، اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ واعتماد رکھے، اپنی محنت، زمین کی صلاحیت یا کھاد کی عمدگی وغیرہ پر اعتماد نہ رکھے بلکہ ان جیسی سب جائز چیزوں کو محض اسباب کے درجہ میں رکھ کر ہی اختیار کرلیا کریں اور اسباب اختیار کرنے کے بعد بھی نتائج کی توقع اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہی رکھے۔

ایک مسلمان کی یہی شان ہونی چاہئے کہ دنیا جہاں کی کوئی مصروفیت اور زندگی بھر کا کوئی شغل اس کو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور شریعت کا تابعداری کرنے سے روک نہیں سکتا۔

## جوڑ توڑ میں صفائی و عمدگی کا ثبوت دینا

ایک مسلمان کی شان یہ ہونی چاہئے کہ وہ جوڑ توڑ کو صفائی و عمدگی بلکہ اگر ہوسکے تو اس سے بڑھ کر احسان واکرام کے ساتھ انجام دیدیا کرے۔ قرآن کریم کا ضابطہ ہے:

فَإِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ أَوْ تَسْرِيحٌ بِإِحْسَانٍ [البقرة: ۲۲۹]

ترجمہ" بھلائی کے ساتھ روک لینا ہے یا نیکی کے ساتھ چھوڑ دینا ہے۔"

لٰہذا دیگر معاملات کی طرح کاشت کاری اور زمینداری میں بھی اس ضابطہ کا پاس ولحاظ رکھ لینا چاہئے کہ معاملہ انجام دینے کا مرحلہ ہو یا غلہ حاصل ہوجانے کے بعد معاملہ کا تصفیہ کرنا ہو، بہر حال اچھے طریقہ سے معاملہ طے کرلیا کریں ،دونوں ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں بلکہ بہتر ہے کہ اصل حق سے کچھ زیادہ دیدیا کریں۔

## نفلی عبادات وصدقات کا اہتمام

ذکر کردہ پانچ باتوں کے ساتھ ساتھ اگر کوئی زمیندار وکاشت کار اپنی استطاعت کے مطابق نفلی صدقات وعبادات کا بھی اہتمام کریں تو بڑی خوش بختی اور سعادت مندی کی بات ہے، مثلاً پیدا ہونے والے فصل میں عشر یا نصف عشر تو لازم ہے لیکن اس سے کچھ زیادہ صدقہ دیدینے کا معمول بنائیں ،یوں ہی پانچ وقتہ نماز پڑھنا تو فرض عین ہے اس کی پابندی کرنے کے ساتھ ساتھ

مزید کچھ نوافل پڑھنے کی عادت بنانے کی کوشش کریں۔قرآن کریم میں پرہیز گار لوگوں کی متعدد صفات میں سے ایک یہ صفت بھی نمایاں طور پر بیان فرمائی گئی ہے کہ:

كَانُوا قَلِيلًا مِنَ اللَّيْلِ مَا يَهْجَعُونَ (١٧) وَبِالْأَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُونَ (١٨) وَفِي أَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِلسَّائِلِ وَالْمَحْرُومِ [الذاريات: ١٧ - ١٩]

ترجمہ:" وہ رات کے وقت تھوڑا عرصہ سویا کرتے تھے۔ اور آخر رات میں مغفرت مانگا کرتے تھے۔ اور ان کے مالوں میں سوال کرنے والے اور محتاج کا حق ہوتا تھا۔"

## مزارعت کی شرائط وضوابط

مزارعت ایک مستقل عقد ہے جو ابتداءً عقدِ اجارہ اور انتہاءً عقدِ شرکت ہے، اس لئے اس میں فی الجملہ اجارہ اور شرکت ، ان دونوں معاملات کے اصول وشرائط کالحاظ رکھنا ضروری ہے،اگر دونوں میں سے کسی ایک عقد کے ضروری شرائط کی بھی خلاف ورزی کی گئی تو معاملہ فاسد ہوجائے گااور فریقین گناہ گار ہوں گے، البتہ عقدِ مزارعت اوراجارہ میں یہ ایک فرق ہے کہ اجارہ میں میں مزدور کے عمل ومحنت سے جو چیز حاصل ہوگی، اس کو ابھی سے اجرت کے طور پر مقرر کرنا جائز نہیں ہے،اس کو حضرات فقہاء کرام "قفیز الطحان" کہتے ہیں، اور مزارعت میں زمین اور عمل کی حد تک یہ استثناء ہے کہ مزارعت کے معاملہ میں زمین دینے یا عمل مہیا کرنے کے عوض وہ چیز بطور اجرت مقرر کرنا جائز ہے جو ابھی موجود نہیں بلکہ کاشتکار کی محنت کرنے کے بعد موجود ہوگی۔

اس ایک عمل کے استثناء کے ساتھ مزارعت کے باقی مسائل میں مندرجہ بالا دونوں عقود کی شرائط وضوابط کی پابندی کرنا ضروری ہے، "فتح القدیر "میں ہے:

اعلم أن مسائل المزارعة في الجواز والفساد مبنية على أصل وهو أن المزارعة تنعقد إجارة وتتم شركة، وانعقادها إجارة إنما هو على منفعة الأرض أو على منفعة العامل دون منفعة غيرهما من منفعة البقر والبذر لأنها استئجار ببعض الخارج. وهو لا يجوز قياسا لكنا جوزناه في الأرض والعامل لورود الشرع به فيهما.[1]

"فتاویٰ شامی "میں ہے:

في الكفاية: واعلم أن مسائل المزارعة في الجواز والفساد مبنية على أصل وهو أنها تنعقد إجارة وتتم شركة، وإنما تنعقد إجارة على منفعة الأرض أو العامل، ولا تجوز على منفعة غيرهما من بقر وبذر.[2]

مزارعت کے صحیح ہونے کے لئے یہی ضابطہ ہے۔یہاں اختصار کے ساتھ ضروری شرائط کو ذکر کیاجاتا ہے:

۱۔جس طرح اجارہ اور شرکت کے معاملہ میں ضروری ہے کہ معاملہ کرنے والے عاقل ہوں اور معاملہ کی اہلیت ان میں موجود ہو، اسی طرح زمیندار اور کاشتکار دونوں کا عاقل اور اہلِ عقد ہونا بھی لازم ہے۔

---

[1] فتح القدیر، کتاب المزارعة،ج۹ص٤٦٦ .

[2] الدر المختار مع حاشية ابن عابدين ،کتاب المزارعة،ج٦ص ٢٧٨ .

۲۔جس طرح اجارہ میں ضروری ہے کہ جو چیز بطور اجارہ دی جارہی ہو، وہ قابل انتفاع ہو، اس کو متعین کیاجائے، پھر عقد کے بعد کرایہ دار کے حوالہ کردیاجائے، اسی طرح مزارعت میں بھی یہ تینوں باتیں لازم ہیں، کہ زمین میں کاشت کی صلاحیت موجود ہے اس کو متعین کیاجائےاور پھر عملی طور پر فارغ کرکے کاشتکار کے حوالہ کردیاجائے۔

۳۔اجارہ میں دی جانے والی چیز اگر ایسی ہے کہ اس کے منافع اور طریقہ استعمال مختلف ہو تو مکمل وضاحت ضروری ہے ، یونہی مزارعت میں بھی یہ طے کرنا لازم ہے کہ کونسا فصل کاشت کیاجائے گایا کاشتکار کو مکمل اختیار دیاجائے کہ وہ جو فصل چاہے، کاشت کرے، کیونکہ مختلف چیزوں کے کاشت کرنے سے زمین پراثر پڑتا ہے۔

۴۔اجارہ کی طرح مزارعت میں بھی مدت بیان کرنا ضروری ہے اور مدت بھی ایسی ہونی چاہئے کہ جس میں زراعت کا کام ہوسکے، البتہ اگر کسی علاقے میں کوئی فصل ایسی ہےجس کی ابتداء وانتہاء بالکل معلوم او ر واضح ہو کہ کب کاشت کی جائے گی اور کب پک کر کاٹنےکے قابل ہوجائے گی؟ تو ایسی فصل میں اگر زبان سے مدت بیان نہ بھی کی جائے تو بھی گنجائش ہوسکتی ہے[1]،تاہم بہتر بہرحال یہی ہے زبان سے مدت سمیت تمام ضروری باتوں کو باہمی اتفاق کےساتھ طےکردیاجائے۔

۵۔جس طرح شرکت میں ضروری ہے کہ کاروبار کے نتیجہ میں جو نفع حاصل ہوگا، اس میں دونوں فریق کا حصہ مقرر بھی ہو اور فیصدی

---

[1] الدر المختار مع حاشية ابن عابدين ،كتاب المزارعة،ج٦ص ٢٧٥ .

لحاظ سے حصہ بھی متعین کیاجائے، یوں ہی مزارعت میں بھی ضروری ہے کہ حاصل ہونے والے پیداوار میں سے دونوں کا حصہ فیصدی لحاظ سے مقرر کیاجائے، لہٰذا اگر حصہ بالکل مقرر نہیں کیا گیا، یالم سم مقدار مقرر کی گئ تو معاملہ فاسد ہوجائے گا ، اسی طرح کوئی ایسی شرط لگانا جس کے نتیجہ میں کوئی ایک فریق حاصل ہونے والے غلہ سے بالکل محروم ہوجائے، شرطِ فاسد ہے جس سے احتراز کرنا ضروری ہے، مثلاً یہ شرط لگائی جائے کہ جو کچھ نفع حاصل ہوگا اس میں سے ایک من کاشت کار کا ہوگا اور باقی دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوگا۔

٦۔اجارہ کی طرح مزارعت کے معاملہ میں بھی شرطِ فاسد لگانے سے احتراز کرنا لازم ہے ،اور شرطِ فاسد سے مزارعت فاسد ہوجائے گی[1]۔

7۔ تخلیہ۔ یعنی یہ بھی ضروری ہے کہ مالک زمین ،زمین فارغ کرکے کاشت کار کے حوالہ کردے۔

## مزارعت صحیحہ کی کچھ صورتیں

مزارعت کی ہر وہ صورت جس میں ان تمام شرائط کا لحاظ رکھاجائے ،وہ شرعاً جائز ہے اس کی عموماً درجِ ذیل تین صورتیں پائی جاتی ہیں:

١۔زمین ایک فریق کی ہو اور باقی چیزیں یعنی محنت، تخم، اور محنت

---

[1] تبیین الحقائق،کتاب البیوع، باب المتفرقات،ج٤ ص١٣١ .

کرنے کے آلات دوسرے فریق کی جانب سے ہو۔

۲۔محنت ایک جانب سے ہو اور باقی چیزیں یعنی زمین ، تخم، کام کرنے کے اوزار دوسرے شریک کی جانب سے ہو۔

۳۔زمین اور تخم ایک آدمی کی طرف سے ہو اور باقی دو چیزیں یعنی محنت اور اس کے آلات دوسرے کی طرف سے ہو۔[1]

## مزارعتِ صحیحہ کے احکام ونتائج

اگر مزارعت کا معاملہ مندرجہ بالا شرائط وضوابط کی روشنی میں انجام دیاجائے تو یہ معاملہ شرعاً جائز ہے اور اس پر مندرجہ ذیل احکام مرتّب ہوں گے:

**الف۔** معاملہ میں جو کچھ طے کیاگیا، اس کی پابندی ضروری ہے، لہٰذا کاشتکار کے ذمہ لازم ہے کہ وہ پیداوار پک جانے تک ساری محنت کرتارہے، فصل پر آنے والے اخراجات کے متعلق معاملہ میں جوکچھ طے کیاگیا،اس کی پابندی ضروری ہے بشرطیکہ اس میں کوئی ناجائز شق شامل نہ ہو۔

**ب۔** کاشتکار اور زمیندار میں سے جس شخص کی طرف سے تخم کا ہونا مقرر کیاگیا ہو، اس کے حق میں یہ عقد لازم نہیں جبکہ دوسرے فریق کے حق میں عقد لازم ہے، لہٰذا تخم والے فریق نے جب تک تخم

[1] الدر المختار، کتاب المزارعة،ج٦ ص٢٧٨ .

نہیں دیا، اس وقت اس کو اختیار ہے کہ چاہے تو عقد کو برقرار رکھے اور چاہے تو اس سے اعراض کرے، دوسرا فریق معاملہ مکمل ہوجانے کے بعد اس سے انکار نہیں کرسکتا۔

ج۔ اجارہ کی طرح مزارعت میں بھی کاشتکار کی حیثیت امین کی ہے، لہٰذا وہ امانت داری کے ساتھ کاشت کرنے اور محنت کرنے کا پابند ہے اور اس کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاملہ میں طے شدہ یا عام معمول کے مطابق کاشت کے سلسلہ میں کوشش کرتا رہے اور اس میں کوئی کوتاہی اور غفلت نہ برتے، اگر طے شدہ معاہدے اور عام دستور سے بڑھ کر کوتاہی کرے اور اس کی وجہ سے پیداوار ختم ہو جائے یا اس کو کوئی غیر معمولی نقصان پہنچے، تو ضامن ہوگا۔

د۔ پیداوار طے شدہ معاہدہ کے مطابق تقسیم ہوگا، اگر خدانخواستہ محنت کرنے کے باوجود کوئی غلہ حاصل نہیں ہوا، تو دونوں کو مزید ایک دوسرے کی طرف سے کچھ دینا لازم نہیں ہے، بس یوں سمجھا جائے گا کہ عمل کرنے والا کا عمل بے نتیجہ رہا اور زمیندار کی زمین بے فائدہ استعمال ہوئی ۔

## مزارعت کے فاسد ہونے کی وجوہات

مزارعت کے صحیح ہونے کے لئے پہلے جن شرائط کا ذکر کیا گیا ہے، ان میں سے کسی بھی شرط کی رعایت نہ رکھنے کی وجہ سے مزارعت کا معاملہ فاسد یا باطل ہوجاتا ہے۔ مثلاً:

**الف:** معاملہ کرنے والے عاقل نہ ہوں۔

**ب:** زمین متعین نہ کی جائے۔

**ج:** یا کسی وجہ سے زمین میں کاشت کرنے کی صلاحیت بالکل موجود نہ ہو۔

**د:** یا زمین کاشتکار کے حوالہ کرکے نہ دی جائے بلکہ زمیندار کے ساتھ کام کرنے کی شرط لگائی جائے۔

**س:** حاصل ہونے والے پیداوار میں فریقین کے حصے متعین نہ کی جائیں یا لم سم طور پر حصہ مقرر کیا جائے۔

**ص:** اس کے علاوہ کوئی فاسد شرط لگائی جائے۔

## فاسد شرائط کا ضابطہ

ان جیسے معاملات میں جو فساد پیدا ہوجاتا ہے وہ عموماً کچھ فاسد شرائط لگانے کی وجہ سے ہوتا ہے، پھر ہر علاقے میں مختلف قسم کی شرائط لگائی جاتی ہیں جن کی وجہ سے معاملہ فاسد ہوجاتا ہے، اس سلسلہ میں ضابطہ یہ ہے کہ جو شرط بھی ایسی ہو کہ عقد اس کا تقاضا نہ کرے یعنی جس شرط کی وجہ سے کوئی ایسی نئی بات لازم کی جائے جو عقد کے ذکر کردہ احکام واثرات میں داخل نہ ہو اور اس میں زمیندار وکاشتکار میں سے کسی ایک فریق کا فائدہ ہوتو وہ شرط فاسد ہے اور اس کی وجہ سے معاملہ فاسد ہوجائے گا۔

البتہ اگر اس ضابطہ کے مطابق کوئی شرط ایسی ہو جس کی نصوص میں اجازت دی گئی ہو یا وہ عام عرف وتعامل کی حد تک رائج ہو تو اس کی

گنجائش ہے اور اس کی وجہ سے معاملہ فاسد نہیں ہوگا لیکن یاد رہے کہ ان دونوں باتوں کا فیصلہ مستند اہلِ علم اور مفتیانِ کرام ہی کا منصب اور انہی کا فرضِ منصبی ہے، ان کے علاوہ عام لوگوں کو کسی طرح یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ از خود کسی شرط کے متعلق یہ فیصلہ کریں کہ نص میں اس کی اجازت دی گئی یا اس کا رواج تعامل کی حد تک ہوگیا، اس لئے یہ شرط فاسد نہ رہا۔

## کچھ مروّج فاسد شرائط

ذیل میں نمونہ کے طور پر کچھ شرائط ذکر کی جاتی ہیں جو مختلف علاقوں میں رائج ہیں اور جن کی وجہ سے معاملہ فاسد ہوجاتا ہے۔

۱۔ زمیندار پر کام کرنے کی شرط لگانا۔

۲۔ حاصل ہونے والے غلہ میں شرکت برقرار رکھنا، کہ مثلاً پورا گندم کاشتکار کا ہوگا، زمیندار کو صرف بھوسہ مل جائے گا۔

۳۔ کاشتکار کو پابند کرنا کہ وہ زمین میں کوئی ایسا کام کرے جس کا فائدہ مزارعت کے بعد برقرار رہے، مثلاً کھیت کے ارد گرد چار دیواری بنانا، پانی لگانے کے لئے پختہ نالی بنانا اور پانی محفوظ کرنے کے لئے اس سے بڑی ٹینکی بنوانا جو مزارعت کا معاملہ مکمل ہوجانے کے بعد بھی کھیت میں برقرار رکھی جائے، کاشتکار کو کاشت کرنے کے علاوہ زمیندار کے ذاتی کام کرنے کے پابند بنانے کی شرط۔

## مزارعتِ فاسدہ کی کچھ صورتیں

مزارعت کی ہر وہ صورت شرعاً فاسد ہے جس میں ان شرائط میں سے کسی شرط کی خلاف ورزی کی جائے جو مزارعت کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہیں ، عموماً اس کی درجِ ذیل چار صورتیں رائج ہیں:

۱۔زمین اور کام کرنے کے آلات ایک فریق کی طرف سے ہو اور باقی دو چیزیں یعنی تخم اور محنت دوسرے کی جانب سے ہو، اس کے فا سد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مالکِ زمین پر آلات مہیا کرنے کی شرط لگانا شرطِ فاسد ہے جس سے معاملہ فاسد ہوجاتا ہے۔

۲۔ایک جانب سے تخم اور کام کرنے کے آلات (ہل چلاناوغیرہ) ہو اور دوسری طرف سے باقی دو چیزیں ہوں۔ اس کے فاسد ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مزارعت کے معاملہ میں جس شخص کی جانب سے تخم دینا طے پائے وہ مستاجر (کرایہ پر لینے والا) شمار ہوتا ہے اور دوسرا شخص اجیر (مزدور / نوکر)، اور مزدور پر صرف محنت کرنے یا زیادہ سے زیادہ اس کے آلات واوزار مہیا کرنے کی شرط لگانا درست ہے جبکہ یہاں اس پر زمین مہیا کرنے کی شرط لگائی گئی ، اس شرط لگانے کی وجہ سے معاملہ فاسد ہوگیا۔

نیز ایک وجہ یہ بھی ہے کہ محض تخم یا آلات کے بدلے حاصل ہونے والے غلہ میں شریک ہونے کا معاملہ طے کرنا قفیز طحان میں داخل ہے جوکہ ممنوع ہے۔

۳۔ایک کی طرف سے صرف کام کرنے کے آلات ہو، باقی سب چیزیں دوسرے شریک کی طرف سے ہو، اس کے فاسد ہونے کی وجہ بھی

وہی " قفیز طحان" ہونا ہے جو دوسری صورت میں ذکر کیا گیا۔

۴۔ایک کی طرف سے صرف تخم ہو باقی ساری چیزیں دوسری طرف سے ہو،اس کے فاسد ہونے کی وجہ بھی وہی ہے جو دوسری صورت کے ذیل میں ذکر کی گئی۔

## مزارعتِ فاسدہ کے احکام واثرات

اگر کسی کوتاہی کی وجہ سے مزارعت کا معاملہ فاسد ہوجائے، تو اس پر مندرجہ ذیل احکام مرتّب ہوں گے۔

**الف:** مزارعت فاسدہ گناہ ہے، اس لئے اس کو ختم کرنا ضروری ہے۔

**ب۔** طے شدہ معاملہ کی پابندی کوئی ضروری نہیں، لہٰذا کاشت کار کو محنت کرنے پر مجبور کیاجاسکتا ہے نہ ہی زمیندار کو زمین دینے پر۔

**ج۔** حاصل ہونےوالا پیداوار طے شدہ معاہدہ کے مطابق تقسیم نہیں ہوگا بلکہ حاصل ہونےوالا پورا غلہ اسی کا ہوگا جس نے تخم ڈالا تھا،اب اگر تخم زمیندار کی طرف سے ہو تو پورا پیداوار اس کے لئے حلال ہے اور کاشت کار کو اپنی اس محنت کے عوض اجرتِ مثل دی جائیگی اور اگر تخم کاشت کار کی طرف سے ہو تو اتنی مدت تک زمین استعمال کرنے کی اجرت مثل دے گا اور پیداوار میں سے اجرت اور تخم کی بقدر حلال ہوگا ، باقی پیداوار چونکہ دوسرے کے زمین سےایک عقدِ فاسد کے ذریعے حاصل ہوا اس لئے یہ اس کے لئے حلال نہیں ہوگا بلکہ ملک خبیث واجب التصدّق ہے۔

د۔ اگر پیداوار بالکل حاصل نہ ہوا تو بھی تخم والا دوسرے فریق کو اُجرت مثل دے گا۔[1]

## مزدور کا خرچہ کس پر؟

**مسئلہ:** کھیتی باڑی کا کام بسا اوقات زیادہ ہوتا ہے جو اکیلے کاشت کار کے برداشت کرنے کا نہیں ہوتا اس لئے اس کے لئے مزدور رکھا جاتا ہے، بعض علاقوں میں اس مزدور کی تنخواہ و خرچہ کاشت کار پر ڈالا جاتا ہے بعض جگہ زمین دار پر ،جبکہ بعض لوگوں کا رواج یہ ہے کہ ایک خاص حد تک مثلاً دو تین مزدور کی ضرورت ہو تو کاشت کار اس کا ذمہ دار ہوتا ہے اور اس سے زیادہ مزدوروں کی ضرورت ہو تو دونوں کے ذمہ آدھا آدھا خرچہ مقرر کیا جاتا ہے۔ اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ معاملہ کرتے وقت جو کچھ محنت کاشت کار کے ذمہ لگائی جاتی ہے اس کو پورا کرنا اسی کی ذمہ داری ہے چاہے وہ خود یہ محنت کرے یا اس کے لئے مزدور وملازم رکھے، زمین دار پر اس کی تنخواہ ڈالنا درست نہیں کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ مزدور زمین دار نے رکھا ہے اور اس کے لئے کام کررہا ہے جبکہ مزارعت کے درست ہونے کے لئے ضروری تھا کہ محنت کاشت کار ہی کے ذمہ ہو یعنی زمین دار پر اس کی شرط نہ لگائی جائے۔

**مسئلہ:** اسی طرح یہ بھی شرعاً درست نہیں ہے کہ مزدور کا خرچہ

---

[1] الدر المختار مع ردّ المحتار، کتاب المزارعة، ج٦ ص٢٧٩.

کاشت کار کے ذمہ قرار دیا جائے اور غلہ حاصل ہوجانے کے بعد پہلے کاشت کار ان مزدوروں پر ہونے والے اخراجات کی حد تک غلہ وصول کرے ،اس کے بعد باقی غلہ کو باہمی معاہدہ کے مطابق تقسیم کریں۔

"مبسوط "میں ہے:

ولو دفع إليه أرضا يزرعها سنته هذه ببذره وبقره وعمله على أن يستأجر فيها أجراء من مال الزارع فهو جائز؛ لأن هذا شرط يقتضيه العقد، فإن العمل بمطلق العقد كله يصير مستحقا على الزارع، وله أن يقيمها بنفسه وأعوانه وأجرائه، وهو الذي يستأجرهم؛ لذلك فيكون الأجر عليه في ماله، وإن لم يذكره فالشرط لا يزيده إلا وكادة، ولو اشترطا أن يستأجر الأجراء من مال رب الأرض، فهذه مزارعة فاسدة؛ لأن الأجير الذي يستوجب الأجر من مال رب الأرض يكون أجيرا له، فإنه إنما يستوجب الأجر عليه إذا كان عاملا له، واشتراط عمل أجير رب الأرض، كاشتراط عمل رب الأرض مع المزارع وذلك مفسد للمزارعة، وكذلك لو شرطا أن يستأجرا الأجراء من مال المزارع على أن يرجع به فيما أخرجت الأرض ثم يقتسمان ما بقي نصفين فهذا فاسد.[1]

## کاشت کار کے ذاتی بجلی کا خرچہ

**مسئلہ:** کاشتکار جب پانی کے انتظام کے لئے بجلی کا میٹر لگواتا

---

[1] المبسوط للسرخسي، باب اشتراط عمل العبد والبقر من أحدهما،ج٢٣ص ٦٩.

ہے تو اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کاشتکار لوگ اسی کھیت ہی میں اپنے لئے کوئی کچا گھر بناتے ہیں جس میں بجلی اسی میٹر سے استعمال کی جاتی ہے تو یہ خرچہ کس کے ذمہ ہے؟ بسا اوقات یہ خرچہ مشترک کھاتے میں ہوتا ہے کبھی مالک پورا بل ادا کردیتا ہے ،اس کا حکم یہ ہے کہ کاشتکار ذاتی طور پر جو بجلی استعمال کرتاہے اس کا بل بھی اصلاً اسی کے ذمہ عائد ہوتا ہے، زمیندارپر اس کا بوجھ ڈالنا درست نہیں بلکہ معاملہ کرتے ہوئےایسی شرط ٹھہرانا شرطِ فاسد ہے،البتہ اگر شرط نہ ہو اور مالک زمین محض احسان کی خاطر یہ خرچہ برداشت کرنا چاہے تو مضائقہ نہیں بلکہ احسان ونیکی کی بات ہے۔

**مسئلہ:** اس میں بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ کاشتکار کے ذاتی استعمال کے لئے کوئی خاص رقم مثلاً ۱۰۰۰ روپے مقرر ہوتے ہیں کہ بل میں اتنے پیسے کاشتکار کے ذمے ،باقی مالک کے ذمے ہیں،اس میں بہتر ہے کہ کاشتکار کے لئے کوئی چک میٹر لگایا جائے اور اسی کے مطابق اس سے رقم وصول کی جائے البتہ اگر اس کاانتظام مشکل ہو تو اگر کاشت کار کے بجلی کا استعمال کچھ زیادہ مختلف نہ ہواور اس میں نزاع کا اندیشہ نہ ہو تواس کی بھی گنجائش ہے۔[1]

## فصل کی کٹائی کا کچھ خرچہ مالک پر ڈالنا

**سوال:** محنت مکمل طور پر کاشتکار کے ذمہ ہوتی ہےیعنی بیج ڈالنےسے لے کر تھریشر ہوجانے تک کی ساری خدمت کاشتکار کے ذمہ

---

[1] حملا له على بيع الإستجرار.

ہوتی ہے، البتہ کٹائی میں مالک آدھا خرچہ دیدیتا ہے، پھر اس میں بھی دو صورتیں ہیں، ایک تو یہی کہ کاشتکار ساری کٹائی خود کریں اور مالک سے آدھا خرچہ وصول کریں اور دوسری یہ کہ اپنے ساتھ کسی کو مزدور رکھے اور اس کی مزدوری مالک سے وصول کریں۔

**جواب:** ضابطہ کے مطابق تو کاشتکار پر فصل پکنے تک محنت کی ذمہ داری ہی عائد ہوتی ہے، اس کے بعد فصل کاٹنے، جمع کرنے اور تھریشر وغیرہ کا خرچہ دونوں فریق پر اپنے اپنے حصہ کے مطابق لازم ہوتا ہے چاہے زمیندار خود کٹائی کرے یا اپنی طرف سے کوئی مزدور دیدے۔کاشتکار چونکہ اس فصل میں زمیندار کے ساتھ شریک بھی ہے اس لئے اس کا مزدوری لیکر کٹائی کرنا درست نہیں،البتہ جہاں کہیں یہ عام عرف ہو کہ کٹائی بھی کاشتکار کے ذمہ ہوتی ہو تو وہاں کٹائی بھی کاشتکار کے ذمہ ہوگی ۔

"ہدایہ" میں ہے:

ومن استأجر رجلا لحمل طعام مشترك بينهما لا يجب الأجر لأن ما من جزء يحمله إلا وهو عامل لنفسه فيه فلا يتحقق تسليم المعقود عليه.[1]

"بدائع" میں ہے:

وكل عمل يكون بعد تناهي الزرع وإدراكه وجفافه قبل قسمة الحب مما يحتاج إليه لخلوص الحب وتنقيته يكون بينهما على شرط الخارج...
وروي عن أبي يوسف أنه أجاز شرط الحصاد ورفع البيدر والدياس

---

[1] الهداية، كتاب الإجارة،باب الإجارة الفاسدة،ج٣ص ٢٤٠.

والتذرية على المزارع لتعامل الناس، وبعض مشايخنا بما وراء النهر يفتون به أيضا، وهو اختيار نصير بن يحيى ومحمد بن سلمة من مشايخ خراسان.[1]

والتفصيل في المبسوط للسرخسي، كتاب المزارعة،باب ما يفسد المزارعة من الشروط وما لا يفسدها، ج٢٣ ص٣٦.

## پیداوار میں سے بیج کے بقدر غلہ منہا کرنے کا حکم

**سوال:** زید وعمر مزارعت کا معاملہ کرتے ہیں ،زید کی زمین ہے اور عمر کی محنت۔دونوں کے درمیان یہ معاملہ طے پایا کہ زید بیج مہیا کرے گا اور پھر جب غلہ حاصل ہوجائے گا تو جس قدر بیج زید نے مہیا کی تھی اس کی مقدار غلہ میں سے زید کو بیج مہیا کرنے کے عوض دیاجائے گا اور باقی جو کچھ غلہ بچے گا وہ دونوں فریق کے درمیان برابر تقسیم کیاجائے گا، اس معاملہ کا کیاحکم ہے؟

**جواب:** اس معاملہ میں مزارعت کی شرائط کا لحاظ نہیں رکھا گیااس لئے فاسد اور ناجائز ہے کیونکہ مزارعت کے درست ہونے کیلئے ضروری ہے کہ مالکِ زمین اور کاشت کار کے درمیان پیداوار میں شرکت یقینی ہو جبکہ مذکورہ معاملے میں ایسا نہیں کیا گیا بلکہ بیج کے بقدر غلہ کو منہا کرنے کی شرط ٹھہرائی گئی جبکہ یہ بالکل ممکن ہے کہ شاید بیج ہی کے بقدر

[1] بدائع الصنائع ،كتاب المزارعة،ج٦ ص١٨٠.

غلہ حاصل ہوجائے، اس لئے یہ معاملہ شرعاً درست نہیں ہے۔

اس کی جائز صورت یہی ہے کہ اس شرط کو ختم کردیا جائے اور بیج ایک فریق پر مقرر کی جائے وہی بیج مہیا کرے اور چاہے تو اس کے بدلے اس کے لئے غلہ میں نفع کا تناسب بڑھادیا جائے مثلاً بیج مہیا کردینے والے کے لئے ۷۰% یا ۸۰% غلہ باہمی اتفاق سے مقرر کردیا جائے۔

نیز ایسی صورت میں اگر فیصدی لحاظ سے کوئی متعین مقدار کا استثناء کرلیا جائے تو بھی جائز ہے کہ مثلاً دونوں یہ طے کریں کہ فصل حاصل ہوجانے کے بعد زید اس میں سے پانچواں یا دسواں حصہ زید کا ہوگا اس کے بعد جو کچھ باقی بچے گا وہ دونوں کے درمیان طے شدہ معاہدہ کے مطابق تقسیم ہوگا۔

"فتاوی قاضی خان "میں ہے:

إن شرطا أن يكون لأحدهما أقفزة معلومة من الخارج ..لا يجوز وكذا لو شرطا أن يرفع صاحب البذر بذره من الخارج والباقي يكون بينهما كان فاسدا من أيهما كان البذر.[1]

"در مختار"میں ہے:

( وعندهما تصح وبه يفتى )ـ ( بشروط ) ثمانيةـــو ) بشرط ( الشركة في الخارج ) ثم فرع على الأخير بقوله ( فتبطل إن شرط لأحدهما قفزان مسماة أو ما يخرج من موضع معين أو رفع ) رب البذر ( بذره أو رفع

---

[1] فتاوى قاضيخان ،كتاب المزارعة،ج٣ ص ٨٧.

الخراج الموظف وتنصيف الباقي ) بعد رفعه.[1]

"فتاویٰ ہندیہ" میں ہے:

ولو شرط لصاحب البذر قدر العشر من الخارج والباقي بينهما صحت المزارعة؛ لأن هذا الشرط لا يقطع الشركة في الخارج لأن الخارج وإن قل يكون له عشر وهذا هو الحيلة لصاحب البذر إذا أراد أن يصل إليه قدر البذر أن يشترط لنفسه قدر البذر باسم العشر أو الثلث أو ما أشبهه والباقي بينهما كذا في النهاية ولو اشترط العشر لمن لا بذر من قبله والباقي بينهما نصفان جاز.[2]

[1] الدر المختار مع ردّ المحتار، كتاب المزارعة،ج٦ص ٢٧٥ .

[2] الفتاوى الهندية ، كتاب المزارعة،الباب الثالث في الشروط في المزارعة،ج٥ص ٢٤٢ .

# کٹائی اور تھریشر سے متعلقہ بعض مسائل

## عورتوں کا کٹائی کرنا

**مسئلہ:** شریعت مطہرہ نے عورت پر کمائی اور کٹائی کا بوجھ نہیں ڈالا بلکہ اس کو غیر محارم سے پردہ کرنے کا حکم دیا اور بغیر حاجت کے عورت کے گھر سے نکلنے کو ناپسندیدہ قرار دیا، لہٰذا عورتوں کا اس کام کے لئے نکلنا پسندیدہ نہیں ہے، بلکہ مردوں کی ذمہ داری ہے کہ وہ باہر کے کام کا خود انتظام کریں، البتہ اگر کہیں مجبوری ہو کہ مثلاً مرد موجود نہیں اور مزدوری پر کٹوانے کی استطاعت نہ ہو، تو ایسی صورت میں عورت کے لئے اتنی گنجائش ہے کہ وہ مکمل پردے کے ساتھ گھر سے نکلے اور کٹائی کے وقت بھی مکمل پردے کا اہتمام کریں۔

## مزدوری پر کٹائی کروانا

**مسئلہ:** کسی کو مزدوری دیکر اس سے کٹوائی کرانا بھی جائز ہے البتہ یہ ضروری ہے کہ معاملہ کرتے وقت ہی محنت اور مزدوری دونوں باتوں کو اچھی طرح صاف کرلیا جائے کہ مثلاً کتنی کٹائی کرے گا یا کتنے گھنٹے محنت کرے گا اور اس محنت کے عوض اس کو کیا دیا جائے گا؟ ان دونوں باتوں کا پہلے سے مکمل طور پر طے کرنا لازم ہے، اسی طرح کٹائی کے بدلے کٹے ہوئے گندم میں سے کچھ مقدار مقرر کرنا بھی شرعاً درست نہیں، اس سے احتراز کرلینا چاہئے۔

## تھریشر والے کے ساتھ معاملہ

**مسئلہ:** تھریشر کرتے وقت باہمی اتفاق سے یہ طے کرنا ضروری ہے کہ کس حساب سے گندم کو تھریشر کیا جائے گا مثلاً فی گھنٹہ ۱۵۰۰ روپے کے حساب سے تھریشر چلے گا یا فی بوری کے حساب سے مزدوری دی جائیگی؟ اگر فی بوری کے حساب سے معاملہ کرنا ہو تو بوری کی نوعیت طے کرنی ضروری ہے کہ یا تو اس کی طرف اشارہ کیا جائے کہ مثلاً اس بوری کے حساب سے فی بوری ۱۰۰۰ روپے معاوضہ دیا جائے گا یا اگر اشارہ نہ کیا جائے تو بوری کے وزن اور ساخت اچھی طرح متعین کیا جائے اور بوری بھی ایسی ہونی چاہئے کہ جس میں زور دینے اور دبا دینے سے مزید گنجائش پیدا نہ ہو ،ورنہ تو یہ نزاع وفساد کا سبب بن جاتا ہے کہ تھریشر والا سرسری طور پر بوری بھرنے کی کوشش کرے گا اور زمیندار وکاشت کار اس کو دبانے کی فکر میں ہوں گے۔

بعض لوگ فی بوری یا فی گھنٹہ کی بات طے کئے بغیر تھریشر کرنا شروع کر دیتے ہیں کہ بعد میں حساب کریں گے، یہ طریقہ شرعاً جائز نہیں، پہلے سے معاملہ کو صاف کرنا ضروری ہے۔

## کٹائی کے بدلے کٹائی کا معاملہ

**مسئلہ:** اگر کاشتکار آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کے لئے کٹائی میں شریک ہوتے ہیں تو اس میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں بلکہ مستحسن کام اور نیکی کی بات ہے لیکن شرط یہ ہے کہ یہ تعاون تعاون

اور تبرع ہی رہے ،اگر کہیں ادلے بدلے تک بات پہنچ جائے کہ مثلاً جس نے آپ کے ساتھ کٹائی میں حصہ لیا،آپ بہر حال اس کے ساتھ حصہ لینے پر مجبور ہوں گے، تو جہاں معاملہ اس حد تک پہنچ جائے وہاں یہ کام تعاون نہیں رہے گا بلکہ گویا ایک مبادلہ بن جائے گا اور ان جیسی صورتوں میں مبادلہ شرعاً ناجائز اور ممنوع ہے ۔

"در مختار" میں ہے:

(إجارة المنفعة بالمنفعة تجوز إذا اختلفا) جنسا كاستئجار سكنى دار بزراعة أرض (وإذا اتحدا لا) تجوز كإجارة السكنى بالسكنى واللبس باللبس والركوب ونحو ذلك، لما تقرر أن الجنس بانفراده يحرم النساء فيجب أجر المثل باستيفاء النفع كما مر لفساد العقد.[1]

## بھوسہ کا حقدار کون؟

مزارعت کا معاملہ کرتے وقت جس طرح گندم وغیرہ غلہ میں کاشتکار اور زمیندار دونوں کا حصہ متعین کیاجاتا ہے ، یوں ہی بھوسہ کا معاملہ بھی پہلے ہی سے صاف اور واضح کردینا چاہیے، پھر ا س کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں، جو درجِ ذیل ہیں۔

ا۔ اگر پہلے سے طے کرلیا جائے کہ بھوسہ دونوں میں برابر یا فلان تناسب سے تقسیم ہوگا تو اسی کے مطابق تقسیم کردیاجائیگا۔

---

[1] الدر المختار مع حاشية ابن عابدين ، كتاب الإجارة، باب الإجارة الفاسدة، ج٦ ص ٦٢ .

۲۔اگر یہ طے ہوا کہ سارا بھوسہ وہی فریق لے گا جن نے تخم دیا تھا تو بھی اسی معاہدہ کے مطابق سارا بھوسہ اسی کو دیا جائے گا۔

۳۔ اگر یہ طے ہوا کہ سارا بھوسہ وہ فریق لے گا جس نے تخم نہیں دیا، تو یہ معاہدہ درست نہیں، بلکہ یہ شرطِ فاسد ہے ۔

۴۔ اگر معاملہ کرتے وقت بھوسہ کے بارے میں کچھ طے نہیں ہوا تو اگر وہاں کوئی غالب عرف ہو کہ مثلاً بھوسہ مشترک ہوتا ہے تو اسی عرف کا اعتبار ہوگا اور بھوسہ دونوں کے درمیان اسی تناسب سے مشترک قرار دیا جائے گا اور اگر کہیں ایسا عرف غالب نہ ہو تو معاملہ فاسد ہو جائے گا، "بدائع" میں ہے:

(ومنها) : شرط التبن لمن لا يكون البذر من قبله، وجملته أن هذا لا يخلو من ثلاثة أوجه: إما أن شرطا أن يكون التبن بينهما وإما أن سكتا عنه وإما أن شرطا أن يكون لأحدهما دون الآخر، فإن شرطا أن يكون بينهما لا شك أنه يجوز.. وإن سكتا عنه يفسد عند أبي يوسف، وعند محمد: لا يفسد، ويكون لصاحب البذر منهما ذكر الطحاوي أن محمدا رجع إلى قول أبي يوسف. .. وإن شرطا أن يكون لأحدهما دون الآخر، فإن شرطاه لصاحب البذر جاز، ويكون له، لأن صاحب البذر يستحقه من غير شرط؛ لكونه نماء ملكه فالشرط لا يزيده إلا تأكيدا، وإن شرطاه لمن لا بذر له فسدت المزارعة؛ لأن استحقاق صاحب البذر التبن بالبذر لا بالشرط؛ لأنه نماء ملكه، ونماء ملك الإنسان ملكه فصار شرط كون

التبن لمن لا بذر من قبله بمنزلة شرط كون الحب له، وذا مفسد كذا هذا.[1]

"مبسوط" میں ہے:

وكذلك لو اشترطا التبن لأحدهما، والحب للآخر كان العقد فاسدا؛ لأن هذا الشرط يؤدي إلى قطع الشركة في الخارج مع حصوله، فمن الجائز أن يحصل التبن دون الحب بأن يصيب الزرع آفة قبل انعقاد الحب، وكل شرط يؤدي إلى قطع الشركة في الخارج مع حصوله كان مفسدا للعقد.[2]

## بھوسہ اندازے سے خریدنا

**مسئلہ:** بھوسہ اگر سامنے موجود ہو تو اندازسے بھی خریدنا جائز ہے البتہ اگر سامنے نہ ہو تو اس کی مکمل مقدار اور نوعیت وغیرہ واضح کرنا ضروری ہے۔

## بھوسہ خریدنے کی ایک ناجائز صورت

**مسئلہ:** بھوسہ یا کوئی بھی چیز خریدنی ہو تو خریدتے وقت ہی ضروری ہے کہ خریدار اور فروخت کنندہ باہمی اتفاق سے اس کی قیمت متعین کردیں، قیمت کی تعیین کو مستقبل پر چھوڑے رکھنا شرعاً جائز نہیں

---

[1] بدائع الصنائع، كتاب المزارعة،ج٦ص ١٨١.

[2] المبسوط للسرخسي،باب ما يجوز لأحد المزارعين أن يستثنيه لنفسه وما لا يجوز، ج٢٣ص ٦٠.

ہے، اس سے معاملہ فاسد ہوجاتا ہے جس سے فریقین گناہ گار ہوں گے، لہٰذا بہت سے جگہ بھوسہ خریدنے کا یہ جو رواج ہے کہ ضرورت کے وقت کسی سے بھوسہ لیا اور قیمت متعین نہیں کی بلکہ یہ طے پایا کہ تھریشر ہوجانے کے بعد جو کچھ قیمت مروج ہوگی، وہی خریدار ادا کردے گا، یہ رواج شرعاً درست نہیں۔

## تھریشر کرنے سے پہلے بھوسہ بیچنا

**مسئلہ:** جب تک تھریشر کرکے بھوسہ نہ نکلے، اس وقت تک اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، اس سے بچنا لازم ہے، اگر کہیں فروخت کرنے کی ضرورت ہی ہو تو اس صورت میں بھی حتمی فروخت نہ کیا جائے صرف وعدہ کرنے پر اکتفاء کیا جائے کہ مثلاً کاشتکار کسی کے ساتھ وعدہ کرے کہ جب میں تھریشر کروں گا تو مکمل یا کچھ بھوسہ آپ کے ہاتھ فروخت کروں گا۔

## مشترکہ بھوسہ تقسیم کرنے کا طریقہ

**مسئلہ:** اگر معاہدہ یہ طے پایا کہ بھوسہ کاشتکار اور زمیندار دونوں کے درمیان مشترک ہوگا تو بھوسہ نکلنے کے بعد اس کو ٹھیک ٹھیک وزن کرکے تقسیم کرنا ضروری ہے، اندازے سے تقسیم کرنا درست نہیں، بعض جگہ یہ رواج ہے کہ بھوسہ کے ڈھیر کے درمیان میں رسی ڈال کر کسی ثالث کے ذریعے ایک حصہ ایک فریق اور دوسرا دوسرے کو دیدیا جاتا ہے، ایسا کرنا شرعاً درست نہیں، کیونکہ دونوں طرف جب بھوسہ ہی ہے تو دونوں کا جنس بھی ایک ہے اور دونوں ایک ہی طرح وزن سے فروخت

ہوتے ہیں،اس لئے باقاعدہ وزن کرکے برابر برابر تقسیم کرنا لازم ہے،اندازے سے تقسیم کرنے میں سود کا خطرہ ہے جس سے بچنا لازم ہے۔

اگر کہیں عملی طور پر اس کا انتظام کرنا مشکل ہو تو اس کا آسان حل یہ ہے کہ گندم اور بھوسہ کو الگ الگ تقسیم نہ کیا جائے بلکہ دونوں کو ملاکر یکجا تقسیم کیا جائے کہ مثلاً گندم کے بھی دو ڈھیر بنائے جائیں اور بھوسہ کی بھی دو ڈھیر بنائے جائیں، اس کے بعد باہمی رضامندی سے ایک ایک ڈھیر لیا جائے۔

# غلہ، گھاس اور درخت کے خرید وفروخت کے مسائل

**مسئلہ:** خود رو گھاس کو جب کاٹ کر محفوظ نہ کیا جائے تب تک اس کو فروخت کرنا شرعاً جائز نہیں ،چاہے مملوکہ زمین میں اُگا ہو یا غیر مملوکہ میں، جب اس کو کاٹ کر محفوظ کرلیا جائے یا پانی دے کر اُگایا جائے تو اس کے بعد فروخت کرنا جائز ہے۔

**مسئلہ:** جس صورت میں بیچنا جائز نہیں، اس میں جانور چرانے کا معاوضہ لینا بھی جائز نہیں البتہ اپنی مملوکہ زمین ہو تو اس کو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے اس کے بعد اگر کرایہ دار اس میں جانور چرانا چاہے تو جائز ہے۔

**مسئلہ:** درخت بہر حال زمین کے تابع ہے،اگر زمین کسی کی ملک ہے تو اس میں اُگنے والے تمام درخت بھی اسی کی ملکیت شمار ہوں گیں، اور اس کی اجازت کے بغیر اس کو کاٹنا جائز نہیں، یہی حکم شہد کا بھی ہے کہ وہ مالکِ زمین کا ہوگا اور اس کی رضامندی کے بغیر کاٹنا اور استعمال کرنا جائز نہیں۔

# کھڑی فصل اور درخت بیچنا

**مسئلہ:** کھڑے درخت اور کھڑی فصل کو فروخت کرنا بھی فی نفسہ جائز ہے، البتہ معاملہ کرتے وقت درج ذیل دو باتوں کی رعایت رکھنا لازم ہے:

ا۔معاملہ طے کرتے وقت یہ شرط لگانا شرعاً درست نہیں کہ مثلاً یہ درخت یا فصل اتنے دنوں تک فروخت کنندہ کی زمین پر برقرار رکھی

جائے گی اور اس کو کاٹا نہیں جائے گا، ایسے شرط لگانے سے معاملہ فاسد ہو جائے گا۔

بعض اوقات خریدار یہ شرط لگاتا ہے، مثلاً فصل/ پھل ابھی کچی ہے اس لئے پکنے تک برقرار رکھا جائے گا ، بعض اوقات فروخت کنندہ کی طرف سے ایسی شرط لگادی جاتی ہے کہ مثلاً فصل کے درمیان کچھ درخت لگائے ہے اوراس کے اکھیڑنے/کاٹنے میں فصل کا نقصان ہوتا ہے تو وہ ایسی شر ط لگالیتا ہے تاکہ اس کا فصل محفوظ رہے، یہ دونوں صورتیں شرعاً ناجائز ہیں۔

لأنّ الأوّل شرط فاسد والثّاني اشتراط إبقاء المبيع العين وهو يرجع إلى الشّرط الفاسد أيضا.

۲۔معاملہ کرتے وقت ہی یہ طے کرے کہ کہاں سے درخت کاٹے جائیں گے، بالکل جڑ سے یا کچھ اوپر سے؟ پھر چاہے زبانی طور پر کاٹنے کی جگہ متعین کریں یا عام عرف وعادت کی وجہ سے متعین ہو ، دونوں درست ہے، لہٰذا جن چیزوں میں جڑ سے کاٹنے یا ایک بالشت اوپر سے کاٹنے کا رواج عام ہے ، وہاں معاملہ کرتے وقت اگر کاٹنے کی جگہ طے نہ بھی کی جائے تو بھی مضائقہ نہیں اور اگر رواج مختلف ہو کہ مثلاً کچھ لوگ بالکل جڑ سے کاٹتے ہوں اور کچھ لوگ کچھ اوپر سے، تو ایسی صورت میں کوئی ایک بات طے کرنی ضروری ہے۔

"فتاویٰ ہندیہ "میں ہے:

اشترى أوراق التوت ولم يبين موضع القطع لكنه معلوم عرفا صح ولو ترك الأغصان فله أن يقطعها في السنة الثانية ولو تركها مدة ثم أراد

قطعها فله ذلك إن لم يضر ذلك بالشجرة.. وإن اشترى الأوراق بدون الأغصان إن اشتراها على أن يأخذها من ساعته جاز وإن اشتراها على أن يأخذها شيئا فشيئا لا يجوز، وكذا لو اشتراها على أن يتركها على الشجرة وإن اشتراها ولم يشترط شيئا فإن أخذها في اليوم جاز وإن لم يأخذها حتى مضى اليوم فسد البيع كذا في فتاوى قاضي خان.[1]

**مسئلہ:** اگر درخت کو کھڑے کھڑے بیچا جائے تو کاٹنا خریدار کے ذمہ ہے، فروخت کنندہ کے لئے ضروری نہیں ہے کہ درخت کاٹنے کا انتظام کرے بلکہ اتنا ہی کافی ہے کہ خریدار کو کاٹنے کا اختیار دیدے، "شامی" میں ہے:

باع عنبا جزافا وكذا الثوم في الأرض والجزر والبصل، فعلى المشتري قطعه إذا خلى بينه وبين المشترى؛ لأن القطع إنما يجب على البائع إذا وجب عليه الكيل أو الوزن ولم يجب؛ لأنه لم يبع مكايلة ولا موازنة.[2]

## قابل استعمال ہونے سے پہلے غلہ کی خرید وفروخت

**مسئلہ:** فصل ،گھاس، گندم وغیرہ جب تک اُگ کر استعمال کے قابل نہ ہو[3]، اس وقت تک اس کو حتمی طور پر فروخت کرنا شرعاً درست

---

[1] الفتاوى الهندية،كتاب البيوع،الباب التاسع،الفصل الثاني في بيع الثمار وإنزال الكروم،ج٣ص ١٠٧.

[2] حاشية ابن عابدين على الدر المختار،كتاب البيوع،فصل فيما يدخل في البيع تبعا وما لا يدخل،ج٤ ص٥٥٦.

[3] چاہے انسان کا استعمال ہو یا جانوروں کا، اور چاہے فی الحال استعمال کے قابل ہو یا مستقبل میں۔

نہیں، اس لئے اس دوران حتمی معاملہ کرنے سے احتراز کرنا چاہئے، اگر ضرورت ہو تو معاملہ کرنے کے بجائے خریداری کا وعدہ کر سکتے ہیں کہ اُگنے کے بعد یہ فصل میں آپ سے خریدلوں گا۔

## گندے پانی سے سیراب ہونے والے غلہ کا حکم

**مسئلہ:** اگر کسی فصل یا غلہ کو استعمال شدہ پانی یا گندہ پانی سے سیراب کیاجائے، تو بھی غلہ حرام نہیں ہوتا ،لہٰذا اگر ظاہری طور پر کوئی گندگی نہیں لگی تو اس کا استعمال جائز ہےاور اگر اس پر گندہ پانی لگا ہو تو نجس ہے، دھونےاور پاک کرنے کے بعد ہی اس کو کھایاجاسکتا ہے،"بدائع "میں ہے:

لأن ما تنجس باختلاط النجاسة به والنجاسة معلومة لا يباح أكله، ويباح الانتفاع به فيما وراء الأكل.[1]

## گندم کو گندم کے بدلے بیچنا

**مسئلہ:** زید کے پاس ایک من گندم موجود ہے اور عمر کا گندم کھیت میں لگا ہے جس کو ابھی تک کاٹا نہیں گیا، دونوں آپس میں اس گندم کا مبادلہ کرنا چاہتے ہیں تو اس میں اس بات کا خیال رکھنا ضروری ہے کہ زید کے پاس جو گندم کٹےہوئے شکل میں موجود ہے وہ مقدار میں اس گندم سے یقینی طور پر زیادہ ہو جو عمر کا ہے اور ابھی تک بالیوں سے جدا نہیں کیا گیا، اگر یہ بات مکمل طور پر معلوم نہ ہو تو یہ معاملہ ناجائز ہے

---

[1] بدائع الصنائع، كتاب الطهارة،ج١ ص ٧٨.

لہٰذا اگر عمر کا گندم زیادہ ہو یا دونوں طرف کے گندم کا وزن برابر ہو تو یہ معاملہ ناجائز اور سود قرار دیاجائے گا ، اسی طرح اگر مقدار معلوم نہ ہواور زید کی طرف سے ملنےوالے گندم کا زیادہ ہونا متحقق نہ ہو تو بھی سود کے قوی اندیشہ ہونے کی وجہ سے معاملہ ناجائز ہے۔

"اللباب "میں ہے:

(ويجوز بيع الحنطة) بانفرادها حالة كونها (في سنبلها والباقلاء في قشرها) وكذا الأرز والسمسم ونحوهما، وعلى البائع إخراجه، وللمشتري الخيار. فتح، وهذا إذا باع بخلاف جنسه. وإلا لا، لاحتمال الربا، وإنما بطل بيع ما في تمر وقطن وضرع وما على حنطة من نوى وحب ولبن وتبن لأنه معدوم عرفا.[1]

## زمین میں پوشیدہ چیزوں کو فروخت کرنا

**مسئلہ:** کسی چیز کے خرید وفروخت جائز ہونے کے لئے یہ کوئی ضروری نہیں کہ وہ چیز آنکھوں کے سامنے ہو بلکہ اگر کوئی چیز زمین وغیرہ کے اندر پوشیدہ بھی ہے تو بھی اس کو فروخت کرنا جائز ہے جبکہ یقینی طور پر چیز موجود ہو اور اس کو اچھی طرح متعین کیاجائے۔

اس ضابطہ سے آلو، کچالو، پیاز وغیرہ چیزوں کو فروخت کرنے کا حکم بھی معلوم ہوا جو زمین کے اندر اگتی ہیں کہ اکھاڑنےسے پہلے بھی ان چیزوں کو فروخت کرنا جائز ہے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے اوصاف،مقدار وغیرہ کو اچھی طرح متعین کریں اور زمین میں ڈالے ہوئے اتنا عرصہ گزر چکا ہو

---

[1] اللباب في شرح الكتاب ،كتاب البيوع،ج٢ص١١ .

جس کے بعد یہ غالب گمان پیدا ہوجائے کہ اب یہ چیزیں اُگ چکی ہیں، نیز معاملہ کرتے وقت یہ شرط بھی نہ لگائی جائے کہ اس کو زمین میں کچھ مدت تک یوں ہی برقرار رکھا جائے گا، "فتاویٰ قاضی خان" میں ہے:

وفي الفجل إذا قلع البعض فرآه ورضي به لا يبطل خياره لأنه عددي متفاوت هذا إذا كان المغيب معلوماً وجوده في الأرض فإن باعه قبل النبات أو بعد ما نبت في الأرض إلا أنه لا يدري أهو نابت في الأرض أو ليس بنابت لا يجوز بيعه.[1]

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

[1] فتاوى قاضيخان، كتاب البيوع، باب الخيار، ج٢ ص٩٥.

# متفرق مسائل

## ٹریکٹر کے ذریعے زمین ہموار کروانا

**مسئلہ:** ٹریکٹر والے سے زمین ہموار کرنی ہو تو اس کے ساتھ معاملہ کرنے میں بھی اجرت کا باہمی اتفاق سے اچھی طرح متعین کرنا ضروری ہے مثلاً فی گھنٹہ کے لحاظ سے، یا کھیتوں کو متعین کرنے کے بعد فی کھیت کے لحاظ سے، یا اس کے علاوہ کسی معیار کو سامنے رکھ کر اجرت متعین کرنی ضروری ہے، اگر معاملہ کرتے ہوئے ٹریکٹر والے کی اجرت متعین نہیں کی گئی تو معاملہ فاسد ہوجائے گا، مثلاً کوئی ایسا معاملہ کرے کہ زمین ہموار کرو، اجرت کے متعلق بعد میں دیکھا جائے گا، یا جو مناسب اجرت ہو وہ دیدینا، یا جو مرضی ہو وہ دیدینا، یا بعد میں آس پاس کے لوگوں سے پوچھ کر معلوم کریں گے جو کچھ قیمت وہ بتائیں گے وہ دیدینا، ان تمام صورتوں میں معاملہ فاسد ہوجائے گا، اسی طرح بسا اوقات فی گھنٹہ کے لحاظ سے کرایہ متعین ہوتا ہے لیکن ڈیزل کی قیمت کے ساتھ اس میں کمی زیادتی کی جاتی ہے، اب کام کرنے سے پہلے کچھ طے نہیں کیا جاتا اور کام کرنے کے بعد دونوں کا اختلاف ہوجاتا ہے ایسی صورت میں صفائی کے ساتھ پہلے سے اجرت مقرر کرلینی ضروری ہے اور معاملہ میں ایسا ابہام چھوڑے رکھنا درست نہیں ہے جس کی وجہ سے بعد میں نزاع کی نوبت آجائے۔

## پیاز وغیرہ کوئی بھی چیز بیچتے وقت قیمت کا تعین لازم ہے

**مسئلہ:** خرید وفروخت کے معاملہ میں شرعاً اس بات کا اہتمام

کرنا ضروری ہے کہ معاملہ کرتے وقت باہمی اتفاق سے کوئی قیمت مقرر کی جائے، اگر قیمت مقرر نہیں ہوئی تو معاملہ فاسد ہوجائے گا جس سے فریقین گناہگار ہوں گے، کاشت کاری سے وابستہ بہت سے لوگوں میں یہ رواج ہے کہ مقامی طور پر پیاز، آلو، کچالو وغیرہ چیزیں جب فروخت کرتے ہیں تو قیمت کا تعین نہیں کرتے بلکہ منڈی کی قیمت پر بات چھوڑتے ہیں کہ منڈی میں جو قیمت لگے گی ،وہی قیمت خریدار دیدے گا، اس معاملہ میں چونکہ قیمت معین نہیں کی گئی ،اس لئے شرعاً یہ معاملہ درست نہیں ہے جس سے بچنا ضروری ہے۔

## پانی کی باری سے متعلق مختلف مسائل

**مسئلہ:** پانی لگانے کی باری کو "حق شرب" کہا جاتا ہے، سمندر اور جو نہر کسی خاص قوم یا افراد کی مملوک نہ ہو اس سے ہر کوئی اپنے کھیت سیراب کرسکتا ہے بشرطیکہ اس سے کسی کا نقصان نہ ہو۔

**مسئلہ:** جو نہر خاص افراد کی ہو ، کہ چند افراد نے مل کر سمندر یا کسی بڑے دریا سے نہر کھدوائی تو اس نہر میں جو پانی آتا ہے وہ گو ان لوگوں کا ملک نہیں بنتا اس لئے عام لوگوں کے لئے بھی اس میں سے پانی پینا، اپنے جانور ومویشی کو پلانا درست ہے تاہم اس سے اپنی زمین کے لئے نہر یا نالی نکالنے کا حق نہیں ہے البتہ جن لوگوں کی یہ نہر ہے اگر وہ سب راضی ہوں تو اس میں بھی مضائقہ نہیں۔

"مجلہ "میں ہے:

المادة (١٢٦٧): حق الشرب في الأنهار المملوكة أي في المياه الداخلة في المجاري المملوكة هو لأصحابها وللآخرين فيها حق الشفة فعليه لا يسوغ لأحد أن يسقي أراضيه من نهر مخصوص بجماعة أو جدول أو قناة أو بئر بلا إذنهم لكن يسوغ له شرب الماء بسبب حق شفته وله أيضا أن يورد حيواناته ويسقيها إذا لم يخش من تخريب النهر أو الجدول أو القناة بسبب كثرة الحيوانات وكذلك له أخذ الماء منها إلى داره وجنينته بالجرة والبرميل.[1]

**مسئلہ:** زید، عمر اور بکر کی زمین کے پاس سے سرکاری نہر گزر رہا ہے اور سب کے لئے پانی کی باری مقرر ہے، اب زید کو پانی لگانے کی ضرورت نہیں ہے تو وہ چاہتا ہے کہ عمر پر اپنی باری فروخت کرے، یہ جائز ہے یا نہیں؟ اس میں فقہاء کرام کی آراء مختلف ہیں، اکثر فقہاء کرام کے نزدیک محض باری کو بیچنا جائز نہیں ہے جبکہ بعض فقہاء کرام کے نزدیک اس کی گنجائش ہے، البتہ اختلاف باری بیچنے کے متعلق ہے اگر زید اپنی باری فروخت نہ کرے بلکہ عمر کے لئے اس سے دستبردار ہو جائے اور اس دستبرداری کے عوض اس سے کچھ معین رقم لینا چاہے تو باہمی اتفاق سے ایسا کرنا درست ہے۔

"مبسوط" میں ہے:

وإذا اشترى الرجل شرب ماء، ومعه أرض فهو جائز؛ لأن الأرض عين مملوكة مقدورة التسليم فالعقد يرد عليها، والشرب يستحق بيعا، وقد

---

[1] مجلة الأحكام العدلية، ص: ٢٤٣.

يدخل في البيع بيع ما لا يجوز إفراده بالبيع كالأطراف من الحيوانات لا يجوز إفرادها بالبيع ثم يدخل بيعا في بيع الأصل، وبعض المتأخرين من مشايخنا – رحمهم الله – أفتى أن يبيع الشرب، وإن لم يكن معه أرض للعادة الظاهرة فيه في بعض البلدان، وهذه عادة معروفة بنسف قالوا المأجور الاستصناع للتعامل، وإن كان القياس يأباه فكذلك بيع الشرب بدون الأرض.[1]

"درمختار" میں ہے:

(وكذا) بيع (الشرب) وظاهر الرواية فساده إلا تبعا خانية وشرح وهبانية.[2]

**مسئلہ:** جس دن یا جس وقت زید کی باری ہو تو اس کی اجازت کے بغیر کسی کے لئے یہ درست نہیں ہے کہ چھپکے چھپکے پانی اپنی کھیت کی طرف پھیر دے۔

**مسئلہ:** ندی یا چشمہ کا پانی مختلف لوگوں کی زمین سے گزر رہا ہے اور یہ ندی اور چشمہ کسی کی ملکیت میں نہ ہو تو کچھ پانی نکلتا ہے وہ اصلاً مباح ہے لہٰذا جو شخص بھی پہلے پہل اپنی کھیت کی طرف موڑنا چاہے جائز ہے، البتہ اگر سب کھیت والے اس پانی کے استعمال سے متعلق آپس میں کوئی معاہدہ کریں تو اس کی پاسداری ضروری ہے اور بلا عذر معاہدہ کی خلاف

---

[1] المبسوط للسرخسي، كتاب الشرب، ج٢٣ ص١٧١.

[2] الدر المختار مع حاشية ابن عابدين، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، مطلب في بيع الشرب، ج٥ ص٨٠.

ورزی کرنا شرعاً واخلاقا کسی طرح درست نہیں ہے۔

**مسئلہ:** پانی تو اصلاً مباح ہے تاہم جب کوئی شخص اس کو برتن یا ٹینکی وغیرہ میں محفوظ کرے تو وہ اس کی ملکیت بن جاتی ہے اس کے بعد فروخت کرنا بھی جائز ہے، لہٰذا کھیت کی آبی پاشی کے لئے پانی خریدنا بھی جائز ہے تاہم یہ ضروری ہے کہ معاملہ میں کوئی ایسی جہالت باقی نہ رہے جو بعد میں باہمی نزاع کا ذریعہ بن سکے، ورنہ تو معاملہ فاسد ہوجائے گا، مثلاً بعض جگہ ایسا ہوتا ہے کہ موٹر مشین کے ذریعہ کنویں سے پانی نکلتا ہے جو ساتھ لگے ایک بڑے ٹینکی میں جاکر گرتا ہے جو ایک آدھے گھنٹہ میں بھر جاتا ہے، پائپ دو یا تین انچ کے حساب سے پانی پھینکتا ہے جبکہ ٹینکی کا منہ پانچ انچ کھلا ہوتا ہے،اب اگر فی گھنٹہ کے حساب سے پانی خریدنا ہو تو یہ وضاحت ضروری ہے کہ فی گھنٹہ سے کیا مراد ہے؟ ایک گھنٹہ مشین چلنے کے حساب سے یا ٹینکی کے ذریعے پانی نکلنے کے حساب سے۔

**مسئلہ:** پانی کے خرید وفروخت کے معاملہ میں قیمت کا تعین بھی ضروری ہے کہ کھیت والا پانی کے عوض کیا دے گا؟ چاہے وہ نقد کی شکل میں ہو یا اجناس کی صورت میں، لیکن کوئی متعین مقدار طے کرنا لازم ہے ورنہ معاملہ فاسد ہوجائے گا، لہٰذا اس طرح معاملہ کرنا شرعاً درست نہیں کہ ایک شخص محض پانی یا مشین مہیا کرنے کی وجہ سے حاصل ہونے والے غلہ میں فیصدی لحاظ سے شریک ہوجائے گا۔

**مسئلہ:** پانی کو جب تک کسی برتن وغیرہ میں محفوظ نہ کیا جائے وہ کسی کی ملک میں داخل نہیں ہوتی ، اس کو فروخت کرنا جائز نہیں

ہے، لہٰذا کنویں کا پانی بیچنا جائز نہیں ہے بعض جگہ کنویں والے ایسا معاملہ کرتے ہیں کہ کوئی شخص اپنی مشین اور جنریٹر لگاکر اس کے کنویں سے پانی نکالتا رہے گا اوراس پانی کے بدلے کنویں والے کو کچھ مخصوص رقم دے گا، یہ جائز نہیں ہے۔

"مبسوط"میں ہے:

وعن عائشة رضي الله عنها قالت «نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيع بقع الماء» يعني المستنقع في الحوض، وبه نأخذ فإن البيع تمليك فيستدعي محلا مملوكا، والماء في الحوض ليس بمملوك لصاحب الحوض فلا يجوز بيعه فلظاهر الحديث لا يجوز بيع الشرب وحده؛ لأن ما يجري في النهر الخاص ليس بمملوك للشركاء، والبيع لا يسبق الملك، و إنما الثابت للشركاء في النهر الخاص حق الاختصاص بالماء من حيث سقي النخيل، والزرع، و لصاحب المستنقع مثل ذلك، وبيع الحق لا يجوز.[1]

## زمیندار وکاشت کار کے بعض معاملات کا حکم

**مسئلہ:** بعض علاقوں میں یہ رواج ہے کہ مزارعت یا اجارہ کا معاملہ کرنے کے بعد زمیندارلوگ اپنی زمین کاشتکار کے حوالہ کردیتے ہیں اور پھر ان سے مختلف قسم کی خدمات بھی لیتے ہیں، اس کا حکم یہ ہے کہ مزارعت کے معاملہ میں جو کچھ ذمہ داریاں دونوں فریق پر عائد ہوتی ہیں اس کے دونوں فریق بہرحال پابند ہیں اور ہر ایک دوسرے سے اس کامطالبہ بھی

---

[1] المبسوط للسرخسي، كتاب الشرب، ج٢٣ ص ١٦٦ .

کرسکتا ہے لیکن اس معاملہ کے علاوہ کاشت کار سے کوئی خدمت لینا ان کی دلی رضامندی کے بغیر جائز نہیں، لہٰذا کاشت کاراِن سے بلاعوض دودھ، دہی، دیسی گھی وغیرہ چیزیں وصول کرنے کیلئے یہی شرط ہے کہ وہ کسی دباؤ کے بغیر محض دِلی خوشی سے دیں ورنہ تو لینا جائز نہیں، یہی حکم جسمانی خدمت لینے کا بھی ہے۔

**مسئلہ:** یہ جو حکم ابھی ذکر کیا گیا ہے یہ عام حالات میں ہے، اگر کہیں کاشت کار زمیندار کا مقروض ہو اور قرض کے دباؤ میں اس سے کوئی جسمانی یا مالی منفعت حاصل کی جائے تو اس میں ایک دوسرا گناہ سود کا بھی ہے کیونکہ مقروض سے قرض کے بدلے کوئی نفع حاصل کرنا سود ہے جس کے حرام ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے۔

**مسئلہ:** بعض جگہ زمین مالکان کاشت کار سے اپنی مال مویشی بھی چرواتے ہیں ، اس کا بھی یہی حکم ہے کہ کاشت کار کی رضامندی کے بغیر اس سے یہ کام کروانا جائز نہیں ہے، اسی طرح بعض زمیندار کاشت کار سے دودھ دہی وغیرہ چیزیں کافی سستے دام پر خریدتے ہیں،اس کا بھی یہی ضابطہ ہے کہ اگر کاشت کار راضی ہو اور وہ کسی قرض کے دباؤ میں آئے بغیر ایسا کرے تو مضائقہ نہیں ،ورنہ تو زمیندار کے لئے ایسا کرنا ناجائز اور گناہ کی بات ہے، خوب احتیاط کی ضرورت ہے۔

## کاشت کار کا بطور احسان کسی کو غلہ دینا

**مسئلہ:** اگر کاشت کار نے زمین اجارہ پر لی ہے تب تو جو کچھ وہ کاشت کرتا ہے وہ اسی کی ملکیت ہے اور وہ اس میں جو جائز تصرف کرنا

چاہے ،کرسکتا ہے ، البتہ اگر زمین اجارہ پر نہیں لی بلکہ مالک کے ساتھ مزارعت کا معاملہ کیا ہو تو اس صورت میں جو فصل اُگے گی ، وہ محض کاشت کار کی نہیں ہے بلکہ دونوں کے درمیان معاہدہ کے مطابق مشترک ہوگی ،لہذا کسی ایک فریق کے لئے، خواہ وہ کاشت کار ہو یا مالک زمین، یہ درست نہیں ہے کہ اس مشترکہ فصل میں سے کسی کو بطور احسان کچھ دیدے یا تقسیم سے پہلے خود استعمال کرے جب تک کہ دوسرے فریق کی رضامندی معلوم نہ ہو۔

یہی حکم مساقات کا بھی ہے کہ اگر مساقات کے طور پر باغ لگایا گیا ہے تو ایک فریق دوسرے کی اجازت کے بغیر نہ خود فروٹ استعمال کرسکتا ہے نہ ہی کسی دوسرے کو بطور احسان اس میں سے کچھ دے سکتا ہے،البتہ معاملہ مساقات کا نہ ہو بلکہ کسی نے کرایہ پر زمین لیکر اپنے لئے باغ لگایا تو اس کو اختیار ہے کہ خود استعمال کرے یا کسی کو دیدے۔

"جامع الفصولین" میں ہے:

وفي المزارعة الجائزة والفاسدة الغلة أمانة في يد المزارع وكذا في المعاملة جائزة أو فاسدة.[1]

"در مختار "میں ہے:

(الغلة في المزارعة مطلقا) ولو فاسدة (أمانة في يد المزارع).[2]

---

[1] جامع الفصولين،الفصل الثلاثون،ج۲ص ۳٦ .

[2] الدر المختار مع حاشية ابن عابدين ،كتاب المزارعة،ج٦ص ۲۸۲ .

## اجارہ میں گندم کی جگہ پیسے دینا

**مسئلہ:** مالک زمین اور کاشت کار کے درمیان اجارہ کا معاملہ طے پایا اور یہ مقرر ہوا کہ کاشت کار سالانہ تیس (۳۰) من گندم دے گا، سال گزرنے کے بعد جب گندم دینے کا وقت آیا تو کاشت کار کی ذمہ داری ہے کہ وہ معاہدہ کے مطابق تیس من گندم ہی مالک زمین کے حوالہ کردے اور مالکِ زمین بھی گندم ہی کا مطالبہ کرسکتا ہے ،لیکن اگر دونوں فریق راضی ہوں اور وہ گندم کی جگہ پیسے لینا چاہیں، تو اس میں بھی شرعاً مضائقہ نہیں ،تاہم دو باتوں کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

**الف:** ایک تو یہ کہ کاشت کار نے جتنے پیسے دینے ہوں وہ بات باہمی اتفاق سے طے کریں۔

**ب:** دوسری بات یہ لازم ہے کہ اسی مجلس میں کاشت کار پیسے دیدے، ادھار نہ ہو۔ اگر کہیں کاشت کار کے پاس اتنے پیسے موجود نہ ہوں اور اس کے باوجود وہ اس معاملہ پر راضی ہوجائے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ ابھی حتمی بات نہ کریں بلکہ جب پیسے آجائے تو بات کریں۔

امام محمد ρ فرماتے ہیں:

وإذا كان لرجل على رجل كُرّ حنطة قرض، فصالحه من ذلك على عشرة دراهم، فهو جائز. فإن قبض قبل أن يتفرقا فهو جائز. كان تفرقا قبل أن يقبض بطل الصلح، وكان الكر عليه كما هو. .وكذلك الكيل كله والوزن إذا لم يكن شيئاً بعينه. فإذا قبضا قبل أن يتفرقا جاز ذلك. كان تفرقا قبل أن يقبض بطل ذلك، وكان على حقه.. ألا ترى أني لو أجزت

الصلح في ذلك كله كان ديناً بدين، ولا يجوز بيع الدين بالدين وكذلك الصلح.[1]

"درر وغرر" میں ہے:

(صالح عن كر حنطة على عشرة دراهم فإن قبض) أي العشرة (في المجلس جاز) أي الصلح لما عرفت أن الصلح في صورة اختلاف الجنس في معنى البيع فيجب قبض أحد العوضين في المجلس (وإلا فلا) أي وإن لم يقبض العشرة فلا يصلح الصلح لأنه حينئذ يكون بيع الدين بالدين وهو باطل.[2]

---

[1] الأصل للشيباني،كتاب الصلح،باب الصلح في الدين،ج١١ص٥١.
[2] الدرر والغرر ، كتاب الصلح،ج٢ص ٤٠١.

# زراعت کے لئے قرضہ لینے کی مختلف صورتیں

**مسئلہ:** بعض اوقات کسی کاشت کار کے پاس اتنی رقم نہیں ہوتی جس سے کام شروع کرے اس لئے وہ اس مقصد کے لئے قرض لیتا ہے ،لیکن قرض کے اس لین دین میں بسا اوقات شرعی احکام کا لحاظ نہیں رکھاجاتا، اس کی تفصیل یہ ہے کہ کاشت کار لوگ عموماً یا تو زرعی بینک سے قرض لیتے ہیں یا منڈی والوں سے اور یا مالک زمین اور دیگر لوگوں سے۔ ذیل میں تینوں کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

## زرعی بنک سے قرضہ لینا

ہماری معلومات کے مطابق زرعی بنک کے قرضہ دینے کی جتنی صورتیں ہیں ،وہ سود سے خالی نہیں ہے اس لئے ایسا قرض لینا شرعاً جائز نہیں ہے اور سود کا لین دین حرام وگناہ کبیرہ ہے، البتہ اگر کسی زمیندار یا کاشت کار کو نقد کے بجائے ٹریکٹر وغیرہ چیزوں کی ضرورت ہو اور کوئی اسلامی بینک مستند علماء کرام کی موجودگی میں شرعی احکام کی رعایت رکھتے ہوئے مرابحہ وغیرہ طریقہ کار کے مطابق اس کو مطلوبہ چیز حوالہ کردے تو مضائقہ نہیں۔

## منڈی والوں سے قرض لینا

اس میں بذات خود کوئی قباحت نہیں ہے تاہم منڈی والوں کی طرف سے عموماً مشروط قرض ملتا ہے مثلاً کوئی منڈی مالک، آڑھتی یا کھاد ڈیلر اس شرط پر قرض دیدے کہ جو غلہ /فصل اگے گا وہ مجھے ہی یا

میرے ہی وساطت سے فروخت کرنا ہوگا، ایسی شرط لگانا شرعاً منع ہے اس لئے اس سے احتراز کرنا لازم ہے اگر چہ اس شرط کی وجہ سے قرضہ کا معاملہ فاسد نہیں ہوتا ،تاہم قرض دار ان شرائط کا بالکل پابند نہیں ہوگا، لہٰذا اس کو اختیار ہے کہ جہاں اور جس کے ہاتھ فصل فروخت کرنا چاہے، فروخت کردے۔

نیز اس معاملہ میں بسااوقات ایسا ہوتا ہے کہ یہ جب مقروض کاشت کار فصل لیکر منڈی والا/آڑھتی/کھاد ڈیلر کے پاس جاتا ہے تو چونکہ وہ اس کا مقروض ہوتا ہے اس لئے اس کا مال عام بازاری قیمت سے کم مالیت پر خریدلیتا ہے یا اس کاشت کار سے عام معمول سے زیادہ کمیشن لیتا ہے اور کاشت کار بھی قرض کے دباؤ میں یہ سب کچھ برداشت کرتا ہے، یہ سود ہے جو بالکل حرام اور گناہ کبیر ہ ہے، کیونکہ قرض دہندہ کو یہ(کم قیمت پر مال ملنے یا زیادہ کمیشن لینے کی)سہولت قرض دینے کی وجہ سے ہی حاصل ہوئی اور قرض کی وجہ سے جو کچھ نفع ملے،وہ شرعاً سود میں داخل ہے، لہٰذا اس میں خوب احتیاط کی ضرورت ہے۔

امام بیہقی ρ سنن کبریٰ میں روایت نقل کرتے ہیں کہ:

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم: إذا أقرض أحدكم قرضا فأهدي إليه طبق فلا يقبله أو حمله على دابة فلا يركبها إلا أن يكون بينه وبينه قبل ذلك.[1]

---

[1] السنن الكبرى للبيهقي، كتاب البيوع، باب كل قرض جر منفعة فهو ربا، ج٥ ص ٥٧٣.

"بحر" میں ہے:

لا يجوز قرض جر نفعا بأن أقرضه دراهم مكسرة بشرط رد صحيحة أو أقرضه طعاما في مكان بشرط رده في مكان آخر فإن قضاه أجود بلا شرط جاز.. وفي الخلاصة القرض بالشرط حرام، والشرط ليس بلازم بأن يقرض على أن يكتب إلى بلد كذا حتى يوفي دينه.[1]

"المغنی" میں ہے:

وإن شرط في القرض أن يؤجره داره، أو يبيعه شيئا، أو أن يقرضه المقترض مرة أخرى، لم يجز؛ لأن النبي صلى الله عليه وسلم نهى عن بيع وسلف. ولأنه شرط عقدا في عقد، فلم يجز، كما لو باعه داره بشرط أن يبيعه الآخر داره. وإن شرط أن يؤجره داره بأقل من أجرتها، أو على أن يستأجر دار المقرض بأكثر من أجرتها، أو على أن يهدي له هدية، أو يعمل له عملا، كان أبلغ في التحريم. وإن فعل ذلك من غير شرط قبل الوفاء، لم يقبله، ولم يجز قبوله، إلا أن يكافئه، أو يحسبه من دينه، إلا أن يكون شيئا جرت العادة به بينهما قبل القرض؛ لما روى الأثرم أن رجلا كان له على سماك عشرون درهما فجعل يهدي إليه السمك ويقومه حتى بلغ ثلاثة عشر درهما، فسأل ابن عباس فقال: أعطه سبعة دراهم.[2]

---

[1] البحر الرائق، كتاب البيوع،فصل في بيان التصرف في المبيع،ج٦ ص ١٣٣ .
[2] المغني لابن قدامة، كتاب البيوع، باب القرض،ج٤ ص٢٤١ .

## ادھار کی مدت مقرر نہ کرنا

کھاد ڈیلر اور منڈی والوں سے کسان لوگ جو ادھار تخم وغیرہ خریدتے ہیں، اس میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ ادھار کے ادائیگی کی مدت متعین نہیں کرتے بلکہ فصل حاصل ہونے کو میعاد مقرر کرلیتے ہیں ، کبھی غلہ فروخت ہونے تک ادھار مال خرید لیتے ہیں۔ ایسا کرنا شرعاً درست نہیں ہے ،اگر ادھار کوئی چیز خریدنی اور فروخت کرنی ہو تو فریقین کی ذمہ داری ہے کہ باہمی اتفاق سے ادھار ادائیگی کی کوئی مدت متعین کریں۔

## مالکِ زمین یا عام لوگوں سے قرض لینا

اس کا حکم بھی یہی ہے کہ اگر قرض حسنہ کا معاملہ ہو یعنی جتنی رقم قرض کے طور پر دی گئی ،اتنی ہی رقم واپس کردینا طے پایا تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے بلکہ قرض خواہ کے لئے بڑے اجروثواب کی بات ہے، لیکن یہاں بھی بعض اوقات کچھ فاسد شرائط لگائی جاتی ہیں جس سے احتراز کرنا لازم ہے، مثلاً بعض اوقات قرض دیتے وقت یہ طے کیا جاتا ہے کہ کاشت کار قرض دہندہ کو قرض کے بدلے گندم (یا کوئی بھی فصل ہو) دے گا اور اس میں بھی گندم کی کوئی مقدار متعین نہیں کی جاتی بلکہ دیتے وقت کی قیمت پر بات چھوڑدی جاتی ہے، ان جیسی شرائط کی وجہ سے قرضِ حسنہ کا معاملہ باقی نہیں رہتا بلکہ خرید وفروخت کے ناجائز معاملہ میں تبدیل ہوجاتا ہے اس لئے اس بات کا لحاظ رکھنا لازم ہے کہ قرض حسنہ ہی دیدی جائے اور فریقین اس میں مزید کوئی شرط نہ لگائیں۔

اگر قرض دہندہ رقم کی جگہ گندم وغیرہ فصل ہی لینا چاہتا ہے تو

اس کا طریقہ یہ ہے کہ قرض کے بجائے "بیعِ سلم" کا معاملہ کرے اور اس کی پوری شرائط وطریقہ کسی قریبی دار الافتاء یا معتمد عالم دین سے معلوم کرے، اس طرح کرنے سے گناہ سے بھی حفاظت ہوجائے گی اور فریقین کا مقصود بھی پورا ہوجائے گا۔

## پیداوار پر سال گزرنے کے بعد زکوۃ کا حکم

**مسئلہ:** عشر نکالنے کے بعد کاشتکار کے پاس اپنی زمین کا گندم وغیرہ غلہ برقرار رہا اور اس پر سال گزر گیا تو بھی اس پر زکوۃ واجب نہیں، اگر اس کو فروخت کرنے کی نیت کرے تو بھی اس میں زکوۃ واجب نہیں، "شامی" میں ہے:

(قوله: ولا تصح نية التجارة إلخ) لأنها لا تصح إلا عند عقد التجارة، فلا تصح فيما ملكه بغير عقد كإرث ونحوه كما سيأتي ومثله الخارج من أرضه، لأن الملك يثبت فيه بالنبات، ولا اختيار له فيه.[1]

## آٹا کے بدلے گندم خریدنا

**مسئلہ:** بہت سے جگہ یہ رواج ہے کہ ضرورت کے وقت کسی سے گندم لیا اور یہ طے پایا کہ اس کے بدلے وہ اس کو آٹا دے گا، پھر عرصہ بعد اس کو آٹا دیدیتا ہے، یاد رہے کہ گندم اور آٹے کا اُدھار تبادلہ کرنا شرعاً جائز نہیں، بلکہ سود ہے[2] کیونکہ دونوں کا ایک جنس بھی ہے اور موجودہ

---

[1] رد المحتار على الدر المختار، كتاب الزكاة، ج٢ ص ٢٦٨.

[2] تقریباً تمام فقہی مصادر میں گندم اور آٹے کے تبادلے کو مطلقاً ناجائز قرار دیا گیا ہے لیکن اس حکم کی بنیاد اس بات پر ہے کہ یہ دونوں چیزیں عہد رسالت (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) میں کیلی تھیں، لہٰذا دونوں کا قدر ایک ہے اور جنس بھی ایک ہے تو دونوں کے تبادلہ میں برابری ضروری ہے جبکہ کیل کے ذریعے مساوات ممکن نہیں ہے کیونکہ گندم کو جب کسی پیمانے میں ڈالا جائے گا تو مختلف دانوں کے درمیان کچھ نہ کچھ خلاء برقرار رہے گی جبکہ آٹے میں ایسا نہیں ہوتا، جب برابری ممکن نہیں رہی تو دونوں کا تبادلہ ہی جائز نہ رہا، چاہے ادھار ہو یا نقد۔ لیکن اگر اس مسئلے میں حضرت امام ابویوسف ρ کا قول اختیار کیا جائے کہ کسی چیز کے کیلی یا وزنی کا مدار لوگوں کے عرف وتعامل پر ہے، ضروری نہیں ہے کہ جو چیز حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں کیلی یا وزنی تھی وہ قیامت تک اسی حیثیت پر برقرار رہے، تو اس قول کے مطابق گندم اور آٹا دونوں وزنی بن جائیں گے اور وزن کی صورت میں برابری کوئی مشکل نہیں ہے

زمانے میں یہ دونوں چیزیں اصلاًوزن کے لحاظ سے فروخت ہوتی ہےاس لئے پہلےتو گندم کو آٹا کے بدلے لینا ہی نہیں چاہئے بلکہ اگر رقم موجود نہ ہو تو ادھار رقم کے بدلے خریدنا چاہئے مثلاً فی من گندم چالیس کلو آٹا کے بدلے خریدنے کے بجائے اسی گندم کو کچھ متعین رقم مثلاً ۵۰۰اروپے کے بدلے خریدلےاور ادائیگی کا وقت بھی مقرر کریں۔

بعد میں اگر نقد رقم کے بجائے باہمی اتفاق سے آٹا دینا طے ہوجائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں جبکہ اسی مجلس میں آٹا حوالہ کردیا جائے، اگر کہیں آٹا اور گندم ہی کا تبادلہ کرنا مطلوب ہو تو اس میں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ دونوں چیزیں وزن میں برابر برابر ہوں اور معاملہ کرتے ہی دونوں کو متعین کرلیا جائے ، ادھار معاملہ چھوڑنا بالکل جائز نہیں، اس سے احتراز کرنا ضرور ی ہے۔

## کسانوں میں سود کی ایک رائج قسم

اگر دو چیزیں ایک جنس کی ہو تو دونوں کا آپس میں ادھار تبادلہ کرنا شرعاً جائز نہیں بلکہ سود ہے،پھر اگر اس سے بڑھ کر دونوں کے ناپ وتول کا پیمانہ بھی ایک ہو یعنی دونوں ناپ کر فروخت کی جاتی ہوں یا دونوں ہی وزن کے اعتبار سے بکتی ہوں، تو ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ دونوں چیزیں تعداد ومقدار میں بالکل برابر برابر ہوں، اگر ایک طرف سے

---

اس لئے اگر برابری کے ساتھ دونوں کا نقد تبادلہ کیاجائے تواس قول کے مطابق کوئی مضائقہ نہیں ہونا چاہئے،علامہ ابن الہمام اور بہت سے متاخرین فقہائے کرام کا رجحان اسی طرف ہے اور کئی معتمد دار الافتاؤں کافتویٰ بھی اسی کے مطابق ہے۔

زیادہ چیز دی جائے تو وہ سود ہوگا اگر چہ وہ چیز دوسرے کی بنسبت عمدہ ہو ، کیونکہ ان جیسی چیزوں میں عمدہ وغیر عمدہ سب برابر ہیں،ایک چیز کے عمدگی کی وجہ سے دوسری طرف سے ملنے والی چیز زیادہ دینا سود ہے۔ "الاختیار" میں ہے:

فإذا وجدا حرم التفاضل والنساء، وإذا عدما حلا، وإذا وجد أحدهما خاصة حل التفاضل وحرم النساء (ف) ، وجيد مال الربا ورديئه عند المقابلة بجنسه سواء.[1]

زراعت پیشہ لوگوں میں ایسی بہت سی صورتیں داخل ہیں جس میں ایک جنس کی چیزیں فروخت کی جاتی ہے اور عموماً ادھار تبادلہ ہوتا ہے مثلاً ایک کاشتکار کے پاس گندم نہیں ہے تو وہ کسی سے ادھار گندم لیتا ہے،اسی طرح چاول، بھوسہ، مختلف قسم کے تخم ادھار لئے جاتے ہیں،اگر یہ ادھار لین دین بطورِ قرض ہو تو گنجائش ہے اور اگر تبادلہ کے طور پر ہو تو سود ہے جو کہ ناجائز اور حرام ہے، جس سے بچنے کا اہتمام کرنا ضروری ہے۔

اب یہ معاملہ خرید وفروخت کا ہے یا قرض کا؟ اس کا فیصلہ معاملہ کی نوعیت دیکھ کر کیا جاسکتا ہے،اگر کسان ضرورت کی وجہ سے کسی کے پاس گندم لینے گیا اور گندم لیتے وقت یہ بات طے پائی کہ بطور قرض گندم دو، یا یہ کہا کہ مجھے ابھی ضرورت ہے اس لئے ابھی گندم دو،میں بعد میں آپ کو اس جیسا گندم واپس کردوں گا، تو یہ قرض کا معاملہ قرار دیا جائے گا اور اگر صراحۃً خرید وفروخت کی بات ہوئی یا اس کا کوئی قرینہ موجود ہو کہ مثلاً لیتے وقت ہی گندم کے عوض کوئی اور جنس یا نقد رقم

---

[1] الاختيار لتعليل المختار، كتاب البيوع، باب الربا،ج٢ ص٣١.

طے ہوئی ،تو یہ خریداری کا معاملہ شمار ہوگا اور اس صورت میں اس بات کا لحاظ رکھنا ضروری ہوگا جو اوپر درج ہوئی کہ اگر دونوں چیزوں کی جنس بھی ایک ہو اور دونوں تول کر یا ناپ کے ذریعہ بکتی ہو تو معاملہ کا نقد ہونا بھی لازم ہے اور دونوں چیزوں کا برابر برابر ہونا بھی ضروری ہے اور اگر دونوں چیزوں کی جنس مختلف ہو یا ناپ تول میں دونوں متفق نہ ہو بلکہ ایک تول کر فروخت ہوتا ہو تو دوسری ناپ کر یا گنتی کے لحاظ سے ،تو اس صورت میں معاملہ کا نقد ہونا تو ضروری ہے لیکن برابر برابر ہونا کوئی لازم نہیں ۔

## جفتی کرنے کے لئے سانڈ کرایہ پر دینا

نر جانور کو مادہ پر چڑھانے کے عوض رقم لینا جائز نہیں، ایک حدیث شریف میں اس کام پر عوض لینے سے صاف صاف ممانعت کی گئی، اس لئے اس پر معاوضہ لینا تو جائز نہیں، البتہ مادہ جانور کے مالک کو چاہیے کہ کبھی کبھار اکرام ومدارات کے طور پر کچھ نہ کچھ دیدیا کرے۔ سنن ترمذی کی روایت ہے:

عن أنس بن مالك، أن رجلا من كلاب سأل النبي صلى الله عليه وسلم عن عسب الفحل؟ فنهاه، فقال: يا رسول الله، إنا نطرق الفحل فنكرم، فرخص له في الكرامة.[1]

[1] سنن الترمذي، باب ما جاء في كراهية عسب الفحل،رقم الحديث: ١٢٧٤ .

## انجکشن کے ذریعے جانوروں کو حاملہ کروانا

بعض جگہ یہ رجحان پیدا ہورہا ہے کہ فارمی جانور میں انجکشن کے ذریعے منی پہنچائی جاتی ہے جس سے وہ حاملہ ہوجاتی ہے، ایسا کرنے کی شرعاً کوئی ممانعت نہیں۔

## منی(اسپرم)والا انجکشن فروخت کرنا

وسیع پیمانےپر جانوروں کی افزائش نسل کےلئے نَر جانور کا نطفہ (تولیدی جوہر/اسپرم)حاصل کیا جاتا ہے اور انجکشن وغیرہ کے

ذریعے اس کو رحم مادہ میں پہنچایا جاتا ہے جس سے مطلوبہ نسل والے جانور پیدا ہوجاتے ہیں، اس مقصد کےلئے مختلف جانوروں کا "تولیدی جوہر" کسی انجکشن وغیرہ میں محفوظ کیاجاتا ہے اور اس کی خرید وفروخت کی جاتی ہے، سوال یہ ہے کہ کیا اس کی تجارت جائز ہے یانہیں؟

اس میں دو پہلوؤں ہیں: ایک پہلو یہ ہے کہ تولیدی جوہر ایک ناپاک چیز ہے اس لئے اس کی تجارت جائز نہیں ہونی چاہئے، فقہائے کرام نے متعدد چیزوں کے فروخت کرنےکو اس لئے ناجائز قرار دیا ہے کہ وہ شریعت کی نظر میں ناپاک ہے، علامہ فتح محمد لکھنوی ρ نے"عطرِ ہدایہ"میں"نجاست"کو بھی ان اسباب میں سےایک سبب قرار دیا ہے جن کی وجہ سے کسی چیز کی خرید وفروخت ناجائز قرار پاتی ہے[1]۔"محیط برہانی "میں ہے:

---

[1] عطر هداية،ص ١٨٤،محقق ومخرج

وفي «العيون» : لا بأس ببيع عظام الفيل وغيره من الميتة؛ لأن الموت لا يحل العظام ولا دم فيه، فلا يتنجس، فيجوز بيعه إلا عظم الأدمي والخنزير، فإنَّ بيعها لا يجوز، وهذا إذا لم يكن على عظم الفيل وأشباهه دسومة، فأما إذا كان فهو نجس، فلا يجوز بيعه.[1]

دوسرا پہلو اس مسئلے کا یہ ہے کہ بیع کے جواز کا دار مدار انتفاع پر ہے جس چیز کا کوئی جائز استعمال موجود ہو اس کو فروخت کرنا جائز ہے،"در مختار" میں ہے:

والحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع.[2]

اس لئے فقہائے کرام کسی چیز کے خرید وفروخت جائز ہونے کے لئے یہی شرائط بیان فرماتے ہیں کہ وہ موجود، مال متقوم ہو اور فروخت کرنے والے کی ملکیت میں ہو۔ کسی چیز کے مال ہونے نہ ہونے کا مدار لوگوں کے تعامل پر ہے اور متقوم ہونے کا معیار یہ ہے کہ شریعت کی نظر میں اس کا استعمال جائز ہو، جبکہ جانوروں کے مادہ تولید میں یہ دونوں چیزیں موجود ہیں اس لئے محض نجاست ہونے کی وجہ سے اس کی خرید وفروخت کو ناجائز نہیں قرار دینا چاہیئے،شاید یہی وجہ ہے کہ محض "نجاست" کو فساد بیع کے مستقل وجوہات میں سے شمار نہیں کیاگیا۔[3]صاحبِ ہدایہ، امام شافعی ρ

[1] المحيط البرهاني في الفقه النعماني،كتاب البيع، الفصل السادس،ج٦ ص٣٤٩.

[2] الدر المختار مع حاشية ابن عابدين،كتاب البيوع، باب البيع الفاسد، ج٥ ص٦٩.

[3] تفصیل کیلئے ملاحظہ ہو عبد السمیع احمد امام مرحوم کی کتاب "نظرات في أصول البيوع

کے اس استدلال کے جواب میں ، کہ کتا چونکہ نجس العین ہے اس لئے اس کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، تحریر فرماتے ہیں:

ولا نسلم نجاسة العين، ولو سلم فيحرم التناول دون البيع.[1]

علامہ ابن الہمام ρ اس کے ضمن میں فرماتے ہیں:

(ولو سلم فنجاسة عينه توجب حرمة أكله لا منع بيعه) بل منع البيع بمنع الانتفاع شرعا، ولهذا أجزنا بيع السرقين والبعر مع نجاسة عينهما لإطلاق الانتفاع بهما عندنا، بخلاف العذرة لم يطلق الانتفاع بها فمنع بيعها، فإن ثبت شرعا إطلاق الانتفاع مخلوطة بالتراب ولو بالاستهلاك كالاستصباح بالزيت النجس كما قيل جاز بيع ذلك التراب التي هي في ضمنه، وبه قال مشايخنا. وإنما امتنع بيع الخمر لنص خاص في منع بيعها.[2]

ان دونوں پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد بظاہر دوسرا پہلو ہی راجح معلوم ہوتا ہے۔

## نشہ آور چیزوں کو کاشت کرنا

**مسئلہ:** کن چیزوں کو کاشت کرنا جائز ہے اور کن کو نہیں؟ اس سلسلہ میں زراعت کا حکم بھی خرید وفروخت جیسا ہے،جس طرح جائز استعمال والی چیزوں کا خریدنا اور بیچنا جائز ہے یوں ہی کاشت کرنے کے سلسلہ

---

الممنوعة".

[1] الهداية في شرح بداية المبتدي،كتاب البيوع، مسائل منثورة،ج٣ ص ٧٧.

[2] فتح القدير،كتاب البيوع، مسائل منثورة،ج٧ ص ١٢١.

میں بھی یہی ضابطہ ہے ،لہٰذا جن چیزوں کا نشے کے علاوہ بھی کوئی جائز استعمال موجود ہوتا ہے اس کو کاشت کرنا فی نفسہ جائز ہے جبکہ نشے کی نیت سے کاشت نہ کیاجائے اگر کوئی اسی نیت سے کاشت کرنا چاہتا ہے تو وہ اپنی بد نیتی کی حد تک مجرم شمار ہوگا، اس کےمثال تمباکو کی ہےکہ اس کو کاشت کرنا جائز ہےکیونکہ اس کاجائز استعمال موجود ہے۔

"اشباہ "میں ہے:

الأمور بمقاصدها،كما علمت في التروك. وذكر قاضي خان في فتاواه، إن بيع العصير ممن يتخذه خمرا إن قصد به التجارة فلا يحرم وإن قصد به لأجل التخمير حرم وكذا غرس الكرم على هذا.[1]

جن چیزوں کاکوئی جائز استعمال موجود نہ ہو تو اس کو کاشت کرنا بھی شرعاً جائز نہیں، اسی طرح جن چیزوں کا غالب استعمال ناجائز ہو اس کو کاشت کرنےسے بھی احتراز ہی کرلینا چاہئے،خصوصاً اگر کسی اسلامی حکومت کی جانب سے عوامی مفاد کےتحت اس پر پابندی عائد ہوجائے، اس کی مثال بھنگ اور پوست کی ہے جس سے افیون، چرس اور ڈودہ نکلتا ہے، ڈوڈہ عموماً کھانسی وغیرہ بیماریوں کےعلاج کےطور پر استعمال ہوتا ہے جو کہ ایک جائز استعمال ہے لیکن افیون اور چرس کی بنسبت یہ استعمال بہت کم ہے اور پاکستان سمیت بہت سےممالک میں اس کی کاشت پر پابندی بھی ہے ۔

"محیط"میں ہے:

---

[1] الأشباه والنظائر لابن نجيم، القاعدة الثانية، ص: ٢٣.

ولا يجوز بيع هوام الأرض كالحية والعقرب والوزغ، وما أشبه ذلك؛ لأن لانتفاع بهذه الأشياء حرام ومحليته يعتمد جواز الانتفاع بها، ولا يجوز بيع ما يكون في البحر كالصفد والسرطان وغيره إلا السمك، وما يجوز الانتفاع بجلده أو عظمه، والحاصل: أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع.[1]

"در مختار" میں ہے:

والحاصل أن جواز البيع يدور مع حل الانتفاع مجتبى.[2]

"بحر" میں ہے:

فعلى هذا لا يجوز بيع النمر بحال؛ لأنه لشراسته لا يقبل التعليم، وفي بيع القرد روايتان وجه رواية الجواز وهو الأصح كما ذكره الشارح أنه يمكن الانتفاع بجلده وهذا هو وجه إطلاق رواية بيع الكلب والسباع فإنه مبني على أن كل ما يمكن الانتفاع بجلده أو عظمه يجوز بيعه وصحح في البدائع عدم الجواز؛ لأنه لا يشترى للانتفاع بجلده عادة بل للتلهي به وهو حرام.[3]

---

[1] المحيط البرهاني،كتاب البيوع، الفصل السادس،ج٦ص ٣٤٧.
[2] الدر المختار مع حاشية ابن عابدين ، كتاب البيوع، باب البيع الفاسد،ج٥ص ٦٩.
[3] البحر الرائق،كتاب البيوع، باب المتفرقات بعد باب السلم،ج٦ص١٨٧.

## مویشیوں کا کھیت کا نقصان کرنا اور اس پر جرمانہ

**مسئلہ:** اگر کسی کے مویشی دوسرے کے کھیت کا نقصان کرے تو اگر مویشی کا مالک بھی ساتھ ہو اور اس کی موجودگی میں کھیتی کو خراب کرےاور مالک قدرت کے باوجود اس کو نہ روکے تو جو کچھ نقصان ہوا، وہ مالک کے ذمہ ہوگا۔ اسی طرح اگر مالک مویشی کے پاس خود موجود نہ ہو لیکن اس نے اپنی مویشی کو دوسرے کے کھیت میں قصداً چھوڑدیا تو بھی نقصان کا وہ ضامن ہوگا اور کھیتی مالک کو حق حاصل ہے کہ اس سے اپنے نقصان کی تلافی کرائے، البتہ اگر مالک عملاً مویشی کے پاس موجود ہو نہ ہی اس نے مویشی کو کھیت کی طرف ہانکا ہو بلکہ مویشی از خود دوسرے کے کھیت میں گئے اور کھیتی کو خراب کیا ، اس صورت میں جو کچھ نقصان وخرابی آجائے وہ معاف ہے، مویشی مالک اس کا ذمہ دار نہیں ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ:

العجماء عقلها جبار، والبئر جبار، والمعدن جبار، وفي الركاز الخمس.[1]

"شامی"میں ہے:

"(انفلتت دابة) بنفسها (فأصابت مالا أو آدميا نهارا أو ليلا لا ضمان) في الكل لقوله صلى الله عليه «العجماء جبار» أي المنفلتة هدر". وفي الشامية تحته:"قال الزيلعي بعد نقله ذلك عن محمد: وهذا صحيح ظاهر لأن المسوقة والمركوبة والمقودة في الطريق أو في ملك الغير أو المرسلة في

---

[1] صحيح البخاري، باب العجماء جبار، رقم الحديث:٦٩١٣.

الطريق فعلها معتبر على ما بينا".[1]

**مسئلہ:** بعض علاقوں میں رواج ہے کہ اگر مویشی نے کھیتی کو خراب کیا تو اس کو بہر حال پکڑ تے ہیں چاہے مالک پاس ہو یا اس کو پتہ ہو یا نہ ہو، پھر جب تک مالک سے جرمانہ وصول نہ کرے تب تک اس کو مویشی واپس نہیں کرتے، یاد رہے کہ یہ رواج شرعاً غلط ہے،درجِ بالا تفصیل کا لحاظ رکھنا ضروری ہے اور اس کی روشنی میں جہاں مویشی مالک سے نقصان وصول کرنے کا حق نہیں ہوتا، اس میں اس سے خواہ مخواہ جرمانہ لینا، یا مطالبہ کے باوجود اس کی مویشی کو اس سے روکے رکھنا شرعاً جائز نہیں۔

## کاشتکار پر تاوان کی صورتیں

**مسئلہ:** کاشتکار نے فصل کو پانی نہیں دیا یا بہت وقفہ سے دیا، یا کھیت کی حفاظت کرنے میں کوتاہی کرتا رہا جس کی وجہ سے کھیتی کا نقصان ہوا، تو کیا زمیندار اس سے ضمان لے سکتا ہے یا نہیں؟ اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر غلہ نکلنے کے بعد کاشتکار نے اپنی ذمہ داری ادا کرنے میں کوتاہی برتی اور کوتاہی بھی ایسی تھی کہ وہ پہلے سے طے شدہ معاہدہ کے خلاف تھی یا معاہدہ میں اگر صراحت نہ ہو تو عام عرف ومعمول کے سراسر خلاف تھی تو اس کی وجہ سے جو کچھ نقصان ہوگا، کاشتکار اس کا ضامن ہوگا اور اگر کوتاہی

---

[1] الدر المختار مع حاشية ابن عابدين، كتاب الجنايات، باب جناية البهيمة والجناية عليها، ج٦ ص ٦٠٨.

اس حد تک نہ ہو تو ضامن نہیں ہوگا۔

مثلاً یہ معاہدہ طے پایا کہ کاشتکار ہر ہفتہ پانی دے گا یا معاہدہ تو نہیں ہوا لیکن علاقہ ایسا تھا کہ وہاں غلہ حاصل کرنے کے لئے پانی لگانا ضروری ہو اور وہاں کے کاشتکار لوگ پانی لگاتے ہوں، اس کے باوجود کاشتکار نے پانی نہیں دیا یا دیا تو سہی، لیکن اتنی تاخیر سے لگایا کہ وہاں کے معمول کے بالکل خلاف کیا اوراس کی وجہ سے کھیتی کا نقصان ہوا تو نقصان کا ضامن ہوگا، اور اگر ایک آدھ دن کی تاخیر سے پانی لگایا تو ذمہ دار نہیں۔

یوں ہی اگر معاہدہ میں فصل کی کٹائی کی ذمہ داری کاشتکار پر ڈالی گئی اور فصل پک کر کٹائی کے قابل ہوگیا، اس کے باوجود کاشتکار تاخیر کرتا رہا کہ بارش وطوفان کی وجہ سے فصل بالکل خراب ہوگیا یا اس میں نقص پیدا ہوا تو بھی دیکھا جائیگا کہ اگر کاشتکار نے عام معمول سے ہٹ کر کوئی زیادہ ہی تاخیر کی یا طے شدہ معاہدہ کی صریح خلاف ورزی کی اور اس کے بعد یہ حادثہ پیش آیا، تو ضامن ہوگا اور اگر تاخیر اس قدر نہ تھی تو اس کو ایک آسمانی آفت سمجھاجائیگا جس کی ذمہ داری محض کاشتکار پر عائد نہیں ہوتی۔

اسی طرح اگر گنّے کی فصل یاکوئی پھل فروٹ کاباغ لگوانا ہو تواس کی حفاظت کے متعلق جو کچھ معاہدہ طے پائےاور ان چیزوں کی حفاظت کے متعلق اُس علاقے میں وہاں جو کچھ جائز معمول ہو ، اس کی پابندی کرنی ضروری ہے ورنہ تو نقصان کی صورت میں کاشتکار ضامن ہوگا۔

"مجمع الضمانات"میں ہے:

ترك الأكار سقي الزرع حتى فسد الزرع ضمن، وتعتبر قيمته يوم ترك السقي ولولا قيمة للزرع في ذلك اليوم تقوم الأرض مزروعة وغير مزروعة فيضمن نصف فضل ما بينهما بخلاف ما لو منع الماء عن أرض رجل حتى هلك زرعه عطشا لم يضمن المانع شيئا ولو أخر الأكار سقيه تأخيرا يفعله الناس لم يضمن ولو تأخيرا غير متعارف ضمنه. ولو ترك الزرع حتى أصابته آفة من أكل الدواب ونحوه ضمن إن كان حاضرا، وأمكنه دفعه، ولم يدفع، ولا يضمن لو لم يمكنه دفعه ولو أكله الجراد ضمن لو أمكنه طرده، وإلا فلا فالحاصل أنه في كل موضع ترك الحفظ مع إمكانه ضمن لا بدونه. ترك شد شجرة يضرها البرد كشجرة التين والكرم أو أخره حتى أصابها البرد ضمن لو قال للأكار أخرج البر إلى الصحراء لأنه رطب فأخر ففسد ضمن.[1]

"در مختار" میں ہے:

(وإذا قصر المزارع في سقي الأرض حتى هلك الزرع) بهذا السبب (لم يضمن) المزارع (في) المزارعة (الفاسدة، ويضمن في الصحيحة) لوجوب العمل عليه فيها كما مر؛ وهي في يده أمانة فيضمن بالتقصير. في السراجية: أكار ترك السقي عمدا حتى يبس ضمن وقت ما ترك السقي قيمته نابتا في الأرض، وإن لم يكن للزرع قيمة قومت الأرض مزروعة وغير مزروعة فيضمن فضل ما بينهما. [فروع] أخر الأكار السقي، إن تأخيرا معتادا لا يضمن وإلا ضمن. شرط عليه الحصاد فتغافل حتى

---

[1] مجمع الضمانات، باب في المزارعة والمساقاة والشرب، ج١ ص٣١٤.

هلك ضمن إلا أن يؤخر تأخيرا معتادا.[1]

## کھیت میں کوئی پتلا لٹکانا

بعض لوگ کھیتوں میں کوئی پتلا لٹکادیتےہیں ، اس کی عام طور پر دو مقاصد ہوتےہیں ،بعض لوگ تو نظر بد سے بچاؤ کے لئے ایسا کرتےہیں جبکہ کچھ لوگ مویشی اور مضر جانوروں سے کھیتی کی حفاظت کےلئے یہ ترکیب اختیار کرتےہیں ، دونوں صورتوں میں ایسا کرنا مباح ہے ،تاہم شرط یہ ہے کہ اس کو نظرِ بد سے بچاؤ میں بجائے خود مؤثر نہ سمجھاجائے اور بالکل انسان یا کسی بھی جاندار چیز کی طرح اس کا ڈھانچہ نہ بنایاجائے جو دور سے بالکل انسان دکھائی دے ۔"فتاویٰ قاضی خان "میں ہے:

ولا بأس بوضع الجماجم في الزرع والمبطخة لدفع ضرر العين لأن العين حق تصيب المال والآدمي والحيوان ويظهر أثره في ذلك عرف ذلك بالآثار، وإذا خاف العين كان له أن يضع فيه الجماجم حتى إذا نظر الناظر إلى الزرع يقع بصره أولا على الجماجم لارتفاعها فنظره بعد ذلك إلى الحرث لا يضر لما روي أن امرأة جاءت إلى النبي صلى الله عليه و سلم و قالت نحن من أهل الحرث و إنا نخاف عليه العين فأمرها النبي صلى الله عليه و سلم أن تجعل فيه الجماجم.[2]

---

[1] الدر المختار مع حاشية ابن عابدين، كتاب المزارعة،ج٦ ص٢٨٣.

[٢] فتاوى قاضيخان، كتاب الحظر والإباحة، فصل في التسبيح و التسليم، ج ٣ ص ٢٦١.

وكذا في رد المحتار على الدر المختار، كتاب الكراهية،قبيل فصل في النظر والمس،ج٦ ص٣٦٤.

## جانور آدھے پر دینا

بیشتر علاقوں میں کسانوں کو جانور دینے اور ان کے ذریعے اپنے جانور رکھوانے کا رواج ہے، البتہ اس کی مختلف صورتیں ہیں: بعض جگہ معاملہ یہ طے پاتا کہ مثلاً زید اپنی رقم سے جانور خرید کر عمر کسان کو دے گا ، عمر اس کو پالتا رہے گا اور اس کے بدلے اس کا دودھ اور گوبر استعمال کرے گا ، پھر جب جانور کا بچہ پیدا ہوجائے وہ دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم ہوگا۔ کسی جگہ یہ دستور ہے کہ جانور دینے کے بعد کسان اس کو پالتا ہے اور جب وہ کچھ تھوڑا بہت بڑا ہوجائے تو اس کو بیچ دیتا ہے اور رقم میں جو کچھ نفع حاصل ہوجائے وہ دونوں کے درمیان نصف نصف تقسیم ہوتا ہے۔ بعض علاقوں میں اس سے کچھ اختلاف کے ساتھ ایسی صورتیں رائج ہیں۔

ان تمام صورتوں میں بنیادی طور پر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کسی عوض کے بدلے جانور پالنا "عقدِ اجارہ" ہے اور اجارہ میں اس بات کا لحاظ رکھنا لازم ہے کہ جو کچھ اجرت مقرر کرنی ہو وہ معلوم و متعین ہو اور اجیر کے عمل سے پیدا نہ ہو، اگر کسی ایسی چیز کو اجرت کے طور پر مقرر کیا جائے جو خود اجیر کی محنت سے وجود میں آتی ہو تو اس کو "قفیز طحان "کہا جاتا ہے جس سے بعض روایات کے مطابق ممانعت وارد ہوئی ہے اس لئے اکثر فقہاء احناف کے نزدیک یہ معاملہ فاسد ہے جس سے احتراز کرنا ضروری ہے،" بدائع" میں ہے:

وعلى هذا يخرج ما إذا استأجر رجلا ليطحن له قفيزا من حنطة بربع من دقيقها أو ليعصر له قفيزا من سمسم بجزء معلوم من دهنه أنه لا يجوز؛ لأن الأجير ينتفع بعمله من الطحن والعصر فيكون عاملا لنفسه وقد روي عن رسول الله صلى الله عليه وسلم أنه نهى عن قفيز الطحان.[1]

اس کی جائز متبادل صورت یہ ہے کہ مالک آدھا جانور کسان کے ہاتھ فروخت کردے اور فروخت کرنے کے بعد چاہے تو اس کی قیمت معاف کرے، اس سے جانور دونوں کے درمیان مشترک ہوجائے گا اور اس کے بعد جو کچھ بچہ پیدا ہوجائے گا یا فروخت کرنے کی صورت میں اس کی قیمت دوونوں کے درمیان برابر تقسیم ہوگی۔ متبادل کے طور پر یہ بھی ہوسکتاہے کہ معاملہ کرتےوقت اس جانور سےحاصل ہونےوالا دودھ، بچہ یا قیمت وغیرہ اجرت کے طور پر مقرر نہ کریں بلکہ کسان کے لئے اس کی محنت کے عوض کوئی نقد رقم متعین کی جائے پھر دونوں کواختیار ہے کہ چاہے تو وہی مقررہ رقم دیدے یا دیگر چیزوں میں اس کو محسوب کریں۔

یہ تو اس مسئلہ کے متعلق اصولی بات ہےاور جمہور اہلِ افتاء کا یہی فتویٰ بھی ہے البتہ بعض فقہاء احناف کے نزدیک تعامل کی وجہ سے"قفیز طحان"کی ان جیسی صورتوں کی گنجائش ہے جہاں اجیر ومزدور کے عمل سےحاصل ہونےوالے چیز کو اجرت مقرر کیاجاتاہے اور عقد کرتے ہوئے ہی فیصدی لحاظ سے اجرت کی مقدار متعین کرلی جاتی ہے، ان حضرات کےنزدیک یہ اجارہ فاسد بھی نہیں ہوگا،چنانچہ امام محمد بن سلمہ اور

[1] بدائع الصنائع، كتاب الإجارة، ج٤ ص ١٩٢ .

علامہ نصیر بن یحیٰ وغیرہ کئی مشائخ بلخ σ کا یہی فتویٰ رہا ، اور اکابر میں سے بھی علامہ انور شاہ کشمیری اور حکیم الامت حضرت تھانوی صاحبτ[1] کا بھی یہی میلان رہا ہے اور بعض معاصر اہلِ افتاء حضرات کا بھی یہی فتویٰ ہے۔

لہٰذا اگر کسی علاقہ میں ان صورتوں کا عام تعامل ہو اور متبادل پر عمل کرنا دشوار ہو تو بظاہر اس قول پر عمل کرنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے،"محیط برہانی "میں ہے:

ومشايخ بلخ كنصيربن يحيى ومحمد بن سلمة وغيرهما كانوا يفتون بجواز هذه الإجارة في الثياب لتعامل أهل بلدهم في الثياب والتعامل حجة يترك به القياس ويخص به الأثر وتجويز هذه الإجارة في الثياب للتعامل بمعنى تخصيص النص الذي ورد في قفيز الطحان، لأن النص ورد في قفيز الطحان؛ لا في الحائك إلا أن الحائك نظيره فيكون وارداً فيه دلالة، فمتى تركنا العمل بدلالة هذا النص في الحائك وعملنا بالنص في قفيز الطحان كان تخصيصاً، لا تركاً أصلاً وتخصيص النص بالتعامل جائز.[2]

اسی کی ایک نظیریہ بھی ہے کہ اگر درختوں پر کچھ پھل ظاہر ہوئے ہوں اور کچھ ابھی ظاہر نہ ہوئے ہوں، تو چونکہ کچھ پھل ابھی معدوم

---

[1] فیض الباری،کتاب الحرث والمزارعة،باب المزارعة بالشطر ونحوه، ج٤ ص٢٣١ .وامداد الفتاوٰی،ج٣ص٣٤٢ .

[2] المحيط البرهاني،كتاب الإجارة، الفصل الخامس عشر،ج٧ ص ٤٧٣ .

ہے اس لئے اس کو فروخت کرنا بھی جائز نہیں ہونا چاہئے لیکن بعض فقہاء نے" ضرورت"کی بنیاد پر اس کی گنجائش دیدی، امام سرخسی ρ نے یہ کہہ کر اس کی تردید فرمائی کہ جب "بیع سلم"کی شکل میں اس کی جائز اور آسان متبادل موجود ہے تو ضرورت کہاں رہی؟ اس لئے یہ جائز نہیں ہے، لیکن علامہ شامی ρ اس پر یہ استدراک کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

قلت: لكن لا يخفى تحقق الضرورة في زماننا ولا سيما في مثل دمشق الشام كثيرة الأشجار والثمار فإنه لغلبة الجهل على الناس لا يمكن إلزامهم بالتخلص بأحد الطرق المذكورة، وإن أمكن ذلك بالنسبة إلى بعض أفراد الناس لا يمكن بالنسبة إلى عامتهم وفي نزعهم عن عادتهم حرج كما علمت، ويلزم تحريم أكل الثمار في هذه البلدان إذ لا تباع إلا كذلك، والنبي ﷺ إنما رخص في السلم للضرورة مع أنه بيع المعدوم، فحيث تحققت الضرورة هنا أيضا أمكن إلحاقه بالسلم بطريق الدلالة، فلم يكن مصادما للنص.[1]

اس سے معلوم ہوا کہ بسا اوقات کسی فاسد معاملہ کی جائز اور آسان متبادل صورت موجود ہونے کے باوجود عوام کو اس کا سمجھانا اور ان سے اس پر عمل کروانا دشوار ہوجاتا ہے جس کی وجہ سے اس کی گنجائش دی جاتی ہے اور صرف متبادل ہونے کی وجہ سے وہ ضرورت ختم نہیں ہوجاتی جو اس میں گنجائش پیدا ہونے کی متقاضی ہے۔

---

[1]حاشية ابن عابدين على الدر المختار، كتاب البيوع،مطلب في بيع الثمر والزرع، ج٤ص ٥٥٥.

# باب دوم

## مساقات کے بیان میں

- مساقات کا حکم
- مساقات کی کچھ جائز وناجائز صورتیں
- مساقات سے متعلق متفرق مسائل

# باب دوم

## مساقات کے بیان میں

مزارعت کی طرح مساقات بھی ہے،مساقات دو افراد کے درمیان پایا جانےوالا وہ معاملہ ہے جس میں ایک فریق کی جانب سے درخت ہوں اور دوسرے کی جانب سے محنت و عمل ہو اور اس کے نتیجہ میں جو کچھ پھل وغیرہ حاصل ہو اسی میں سے دونوں فریق کا حصہ مقرر کیاجائے، اس معاملہ کو اہل مدینہ منورہ کی اصطلاح میں "معاملہ" اور عام فقہی صطلاح میں" مساقات" کہاجاتا ہے ، آئندہ تحریر میں بعض جگہ اس مفہوم کے لئے باغبانی کا لفظ استعمال ہوگا۔

## مساقات کی صحیح ہونے کی شرائط

مزارعت کی طرح مساقات بھی راجح قول کے مطابق شرعاً جائز ہے اور اس کی صحیح ہونے کے لئے بھی وہی شرائط ہیں جو مزارعت کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہیں جس کا ذکر مزارعت کے باب میں ہوچکا ہے، البتہ مزارعت اور مساقات میں چار بڑے فرق ہیں، جو یہ ہیں:

۱۔مزارعت میں جس فریق کے ذمہ تخم لگانا طے پایا تھا اگر معاملہ ہوجانے کے بعد وہ یکطرفہ طور پر عقد کو ختم کرنا چاہتا تھا تو اس کو یہ

اختیار حاصل تھا جبکہ مساقات میں کسی بھی فریق کو یہ اختیار نہیں ہے۔

۲۔مزارعت کے معاملہ میں اگر فصل پکنے سے پہلے مدت پوری ہوجاتی ،تو کاشت کار اجرت مثل پر محنت کرتا تھا، جبکہ مساقات کے اندر ایسی صورت میں اجرت واجب نہیں ۔

۳۔مساقات کی صورت میں کوئی مستحق آجائے تو محنت کرنے والا فریق اپنی محنت کا اجرت مثل لے گا جبکہ مزارعت کی صورت میں کھیتی کی موجودہ قیمت لے گا۔

۴۔مزارعت میں مدت بیان کرناضروری ہے کہ کب تک مزارعت کا معاملہ برقرار رہے گا جبکہ مساقات میں اس کی ضرورت نہیں ہے۔[1]

## مساقات کی جائز صورتیں

وہی صورتیں جو مزارعت کے معاملہ میں جائز تھیں وہ یہاں مساقات میں بھی جائز ہیں،جس کی تفصیل یہ ہے:

1. ایک کی طرف سے زمین اوردرخت ہوں دوسری طرف سے محنت اور اس کے آلات۔
2. ایک کی طرف سے صرف زمین ہو، دوسری طرف سے باقی ساری چیزیں یعنی درخت ،محنت اور محنت کرنے کے آلات۔
3. ایک کی طرف سے صرف محنت ہو باقی سب چیزیں دوسرے فریق کے ذمہ مقرر ہوں۔

---

[1] الدر المختار مع حاشية ابن عابدين،كتاب المساقات،ج٦ ص ٢٨٦ .

## مساقات کی کچھ ناجائز صورتیں

اس میں بھی وہی مزارعت والی تفصیل ہے جو درجِ ذیل ہیں:

۱۔ایک کی طرف سے زمین اور کام کرنے کے آلات ہوں، باقی دو چیزیں دوسرے فریق کی جانب سے ہو۔

۲۔ایک کی طرف سے درخت اور کام کے آلات ہوں ،دوسری طرف سے محنت اور زمین ہو۔

۳۔ایک کی طرف سے صرف کام کرنے کے آلات ہو اور بس۔باقی سب چیزیں دوسرے فریق پر مقرر ہو۔

۴۔ایک کی طرف سے صرف درخت ہو اور بس، باقی ساری چیزیں دوسری جانب سے ہو۔

## باغ بیچنے میں چند فاسد شرائط

**مسئلہ:** مزارعت کے باب میں "شرطِ فاسد" کا ذکر ہو چکا ہے،جن شرائط کی وجہ سے مزارعت کا معاملہ فاسد ہو جاتا ہے ، انہی شرائط کی وجہ سے باغ بیچنے کا معاملہ بھی فاسد ہو جائے گا،باغ بیچتے ہوئے ایسے کئی شرائط لگائی جاتی ہیں جن سے معاملہ فاسد ہو جاتا ہے مثلاًمالک خریدار سے کہتا ہے کہ میں باغ تو فروخت کرتا ہوں لیکن پھل کاٹنے تک میں اور میرے اہل وعیال بھی اس سے کھاتے رہیں گے یا یہ شرط لگائے کہ باغ تو آپ کے ہاتھ فروخت کیا لیکن کٹائی کے بعد مجھے بھی کچھ پھل دو گے،یا اپنے ذاتی استعمال کی حد تک اس میں سے لیتا رہوں گا، یا خریدار کی طرف سے یہ شرط لگائی گئی کہ

مالک باغ اس کی چوکیداری کرتا رہے گا وغیرہ، یہ سب شرائط فاسدہ ہیں جن کی وجہ سے معاملہ فاسد ہو جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

# مساقات سے متعلق متفرق مسائل

**مسئلہ:** مساقات کے لئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ پھل دار درختوں میں ہو بلکہ غیر پھل دار درختوں میں بھی مساقات کا معاملہ کرنا جائز ہے، مثلاً۔ سپیدار، الائچی وغیرہ درختوں میں بھی مساقات کا معاملہ کرنا درست ہے۔

## لگے ہوئے باغ میں مساقات کا معاملہ کرنا

**مسئلہ:** مساقات کے معاملہ میں چونکہ ایک فریق کی جانب سے محنت شامل ہوتی ہے اس لئے ضروری ہے کہ جن درختوں کو مساقات پر دینا ہو وہ اس حد تک نہ پہنچے ہو جس کے بعد مزید محنت کی ضرورت باقی نہ رہے، لہٰذا اگر کسی ایسے باغ میں مساقات کا معاملہ کرنا مقصود ہو جس کا پھل پک چکا ہو اور محنت کے مرحلہ سے گزر چکا ہو تو یہ درست نہیں، " تکملہ بحر" میں ہے:

(فإن دفع نخلا فيه ثمر مساقاة والثمر يزيد بالعمل صحت وإن انتهت لا كالمزارعة) لأن العامل لا يستحق إلا بالعمل ولا أثر للعمل بعد التناهي فلو جاز بعد الإدراك لا يستحق إلا بلا عمل ولم يرد به الشرع ولا يجوز إلحاقه بما قبل التناهي لأن جوازه قبل التناهي للحاجة على خلاف القياس.[1]

---

[1] تکملة البحر الرائق، کتاب المساقات، ج۸ ص۱۸۷.

# درخت کرایہ پر لینے کا حکم

**مسئلہ:** کرایہ پر کسی چیز کو استعمال کرنے کی سہولت ہی حاصل کی جاسکتی ہے اس کے ذریعہ کسی مادی چیز کو حاصل نہیں کیاجاسکتا، لہٰذا پھل دار درخت کو اس لئے کرایہ پر لینا کہ کرایہ دار اس کا پھل استعمال کرے، یا غیر پھل دار درخت کو اس لئے کرایہ پر لینا کہ کاٹ کر اس کی لکڑی کام میں لائے، یہ شرعاً درست نہیں ہے بلکہ کرایہ کا یہ معاملہ بالکل باطل ہے جس سے احتراز کرنا لازم ہے، یوں ہی کسی بکری ،گائے یا بھینس کو دودھ حاصل کرنے کے لئے کرایہ پر لینے کا بھی یہی حکم ہے۔"مبسوط" میں ہے:

لا يجوز إجارة الشجر والكرم بأجرة معلومة على أن تكون الثمرة للمستأجر؛ لأن الثمرة عين لا يجوز استحقاقها بعقد الإجارة .. ولايجوز إجارة الآجام والأنهار للسمك ولا لغيره؛ لأن المقصود استحقاق العين.[1]

"بدائع"میں ہے:

وإذا عرف أن الإجارة بيع المنفعة فنخرج عليه بعض المسائل فنقول: لا تجوز إجارة الشجر والكرم للثمر؛ لأن الثمر عين والإجارة بيع المنفعة لا بيع العين، ولا تجوز إجارة الشاة للبنها أو سمنها أو صوفها أو ولدها؛ لأن هذه أعيان فلا تستحق بعقد الإجارة، وكذا إجارة الشاة لترضع جديا أو صبيا لما قلنا.[2]

---

[1] المبسوط للسرخسي،باب الإجارة الفاسدة،ج١٦ص٣٢.

[2] بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع،كتاب الإجارة،ج٤ص١٧٥.

# باب سوم

# باغات کی خرید وفروخت کی مختلف صورتیں

# اور ان کے شرعی احکام

# باب سوم

## باغات کی خرید وفروخت کی مختلف صورتیں

باغات اور پھل فروٹ کی ضرورت تو ہر متوازن معاشرے کو ہے لیکن عام طور پر اس کے خرید وفروخت کا جو طریقہ کار رائج ہے وہ بالکل غیر محتاط اور نامناسب ہے اس میں اکثر شرعی احکام کالحاظ نہیں رکھاجاتا ،بلکہ بڑی کوتاہیاں کی جاتی ہیں اور اس میں حد درجہ غفلت برتی جاتی ہے،اس لئے مساقات کی مناسبت سے اس کو بیان کرنا بھی ضروری معلوم ہوا۔

باغات اوراس میں لگے پھلوں کی خرید وفروخت کی متعدد صورتیں ہوسکتی ہیں:

1. پھل ظاہر ہونے سے پہلے فروخت کرنا۔ مثلاً ابھی درخت ہی نہیں لگا، یا درخت تو لگایا گیا مگر اس پر پھل نہیں نکلا۔
2. پھل ظاہر تو ہوا لیکن ابھی تک اس قابل نہیں ہوا کہ انسان یا جانور کے استعمال میں آسکے۔
3. پھل ظاہر بھی ہوا اور استعمال کے قابل بھی ۔
4. پھل ظاہر ہوکر درخت پر پکا ہوا ہو۔

پہلی صورت میں فروخت کرنا تو بالکل جائز نہیں ، کیونکہ جب پھل ابھی نکلا نہیں ہے تو وہ معدوم ہے اور معدوم چیز کی خرید وفروخت کرنا ناجائز اور بیع باطل ہے، چوتھی صورت میں یہ معاملہ بالکل جائز ہے، امام محمدρ کی ایک روایت کے مطابق درخت پر چھوڑنے کی شرط لگانا بھی

درست ہے،علامہ شامی وغیرہ فقہاء نےاس روایت کو ترجیح دی ہیں،"شامی " میں ہے:

(وإن شرط تركها على الأشجار فسد) البيع كشرط القطع على البائع حاوي. (وقيل:) قائله محمد. (لا) يفسد (إذا تناهت) الثمرة للتعارف فكان شرطا يقتضيه العقد (وبه يفتى) بحر عن الأسرار، لكن في القهستاني عن المضمرات أنه على قولهما الفتوى فتنبه.

وفي ردّ المحتار تحته:

(قوله: وبه يفتى) قال: في الفتح: ويجوز عند محمد استحسانا وهو قول الأئمة الثلاثة، واختاره الطحاوي لعموم البلوى. (قوله: بحر عن الأسرار) عبارة البحر وفي الأسرار الفتوى على قول محمد، وبه أخذ الطحاوي وفي المنتقى ضم إليه أبا يوسف وفي التحفة والصحيح قولهما...(قوله: فتنبه) أشار به إلى اختلاف التصحيح وتخيير المفتي في الإفتاء بأيهما شاء لكن حيث كان قول محمد هو الاستحسان يترجح على قولهما تأمل.[1]

دوسری صورت جائز ہےیانہیں؟ اس میں فقہاء حنفیہ کا اختلاف ہے، اکثر فقہاء کرام کے نزدیک یہ صورت بھی جائز نہیں ، لیکن علامہ ابن الہمام ρ نے امام محمدρ کےکی ایک عبارت سے استدلال کرکے اس کوجائز

[1] الدر المختار مع حاشية ابن عابدين،كتاب البيوع،مطلب في بيع الثمر والزرع، ج٤ص ٥٥٦.

قرار دیا ہے، "فتح القدیر" میں ہے:

وعندنا إن كان بحال لا ينتفع به في الأكل ولا في علف الدواب خلاف بين المشايخ، قيل لا يجوز، ونسبه قاضي خان لعامة مشايخنا، والصحيح أنه يجوز؛ لأنه مال منتفع به في ثاني الحال إن لم يكن منتفعا به في الحال. وقد أشار محمد في كتاب الزكاة إلى جوازه، فإنه قال: لو باع الثمار في أول ما تطلع وتركها بإذن البائع حتى أدرك فالعشر على المشتري، فلو لم يكن جائزا لم يوجب فيه العشر على المشتري.[1]

تیسری صورت میں تین احتمال ہیں کہ:

1. معاملہ کرتے وقت یہ شرط طے پائی کہ خریدار پھل کاٹ کر درخت فارغ کردے گا۔
2. یہ شرط طے ہوئی کہ پھل درخت پر برقرار رہے گا۔
3. پھل کے چھوڑنے اور کاٹنے کے متعلق کچھ طے نہیں پایا۔

ان میں سے پہلی صورت تو بالکل جائز ہے کیونکہ پھل موجود ہے اور معاملہ میں کوئی فاسد شرط بھی نہیں لگائی گئی ،لہٰذا یہ صورت جائز ہے۔

دوسری صورت میں بیع فاسد ہے کیونکہ پھل کو درخت پر رکھنے کی شرط فاسد ہے جس میں خریدار کا واضح فائدہ ہے اس لئے یہ معاملہ فاسد اور گناہ ہے۔

رہی تیسری صورت کہ درخت پر پھل لگا ہو لیکن پوری طرح پکا نہ

---

[1] فتح القدير، كتاب البيوع، ج٦ ص ٢٨٧.

ہو اور معاملہ کرتے وقت نہ اس کو کاٹنے کی شرط لگائی جائے نہ ہی درخت پر چھوڑنے کی بات کی جائے ، تو اگر کسی علاقہ میں ایسے پھل کو درخت پر چھوڑنے کا معمول نہ ہو اور فروخت کنندہ کی رضامندی سے پھل کو چھوڑا جائے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن اگر کہیں ایسا معمول ہو تووہاں فقہی اصول وضابطہ کا تقاضایہ ہے کہ اس معمول ورواج کو بھی شرط کی طرح قرار دیکر معاملہ کو فاسد قرار دیا جائے، علامہ شامی ρ نے اس توجیہ کو ذکر فرمایا ہے لیکن آخر میں "تامل" کہہ کر گویا تردد کا بھی اظہار فرمایا،[1] جبکہ علامہ کشمیری ρ نے اس صورت کو صراحۃً جائز قرار دیا اور علامہ شامی ρ کے اس فیصلہ سے اختلاف کا اظہار کیا۔[2]

## باغ ٹھیکہ پر دینا

ہندو پاک کے بہت سے علاقوں میں یہ رواج ہے کہ آم، کیلے، کنوں وغیرہ کے باغات کئی سالوں کے لئے ٹھیکہ پر لئے جاتے ہیں ، مالک باغ رقم لے کر برطرف ہوجاتاہے اور ٹھیکہ پر لینےوالا باغ کی نگہداشت رکھتا ہے اور معاہدہ کے مطابق ہر سال تمام پھل فروٹ حاصل کرلیتاہے، یہ صورت

---

[1] شامی میں ہے: "(قوله: مطلقا) أي بلا شرط ترك أو قطع، وظاهره ولو كان الترك متعارفا مع أنهم قالوا: المعروف عرفا كالمشروط نصا، ومقتضاه فساد البيع وعدم حل الزيادة". تأمل.(حاشية ابن عابدين،كتاب البيوع، مطلب في بيع الثمر و الزرع، ج٤ ص ٥٥٦).

[2] فيض الباري، كتاب البيوع، باب بيع النخل قبل أن يبدو صلاحها، ج٣ ص٤٧٩.

شرعاً جائز نہیں ہے ، کیونکہ باغ میں تین ہی چیزیں ہوتی ہیں اور تینوں کو ٹھیکہ پر دینا شرعاً جائز نہیں ہے، چنانچہ:

**الف:** اگر باغ کی زمین ٹھیکہ پر دینی ہو تو جائز نہیں ہے کیونکہ یہ زمین مشغول ہے اس میں مالک زمین کے درخت لگے ہوئے ہیں اور ایسی زمین کرایہ پر دینا درست نہیں ہے۔

**ب:** اگر درخت دینا مقصود ہو تو بھی جائز نہیں ہے بلکہ باطل ہے کیونکہ ٹھیکہ میں خود درخت مقصود نہیں ہوتے بلکہ اس سے حاصل ہونے والا پھل مقصود ہوتا ہے اور پھل وغیرہ مادی چیزوں کو حاصل کرنے کے لئے اجارہ کرنا شرعاً منعقد نہیں ہوتا۔

**ج:** باغ میں تیسری چیز پھل ہے جو کہ ابھی تک نکلا نہیں ہے اس لئے اس کو فروخت کرنا بھی جائز نہیں ہے۔

اس لئے باغات ٹھیکہ پر دینا شرعاً جائز نہیں ہے اس سے احتراز کرنا ضروری ہے۔اب یا تو پھل آنے کے بعد اس کو خریدا جائے یا اگر پہلے ہی باغ لینا مقصود ہو تو مساقات کا معاملہ کرلیاجائے اور باہمی اتفاق کے ساتھ حاصل ہونےوالے غلہ میں سے دونوں فریق کا کوئی متعین حصہ فیصدی لحاظ سے مقرر کیاجائے۔ اگر کسی وجہ سےمالکِ باغ اس پر راضی نہ ہو تو درج ذیل طریقہ کار کے مطابق باہمی اتفاق سےدو الگ الگ معاملے انجام دئے جائیں اور کسی معاملہ کو دوسرے کےساتھ مشروط نہ کیاجائے:

**الف:** پہلے مساقات کا معاملہ کیاجائے ،باغ مالک کی طرف سے باغ ہو اور ٹھیکہ پر لینےوالا شخص خود یا اپنے مزدور ونوکر کے ذریعے باغ کی

نگہداشت رکھے اور حاصل ہونے والے پھل میں دونوں کا حصہ فیصدی لحاظ سے مقرر کیا جائے، دونوں کا حصہ کتنا ہوگا؟ اس کی کوئی تحدید نہیں ہے بلکہ دونوں کے باہمی اتفاق سے کوئی بھی فیصدی تناسب طے کی جاسکتی ہے حتیٰ کہ اگر ایک فی ہزار کی نسبت طے ہوجائے یعنی مالک باغ کو حاصل ہونے والے پھل کے ہزار حصوں میں سے ایک حصہ ملے گا اور باقی پورا باغ دوسرے فریق کا ہوگا جس نے ٹھیکہ پر باغ لینا چاہا تھا تو بھی جائز ہے۔ مالکِ باغ کو پھل حاصل ہونے کے بعد اختیار ہے کہ خود استعمال کرے یا ٹھیکہ پر لینے والے کے ہاتھ فروخت کرے یا اس کو بطور ہدیہ وبخشش دیدے۔

**ب:** اس کے بعد اجارے کا معاملہ کیا جائے کہ مالکِ باغ اپنی زمین دوسرے فریق کو متعینہ مدت کے لئے کرایہ پر دیدے اور کرایہ جو بھی طے ہوجائے، جائز ہے، چنانچہ جو رقم ٹھیکہ کی صورت میں مالک باغ کو مل رہی تھی اگر اتنی ہی رقم کرایہ پر کے طور پر مقرر کی جائے تو بھی مضائقہ نہیں ہے۔ "محیط برہانی" میں ہے:

وفي «القدوري» : إذا استأجر أرضاً سنة فيها رطبة، فالإجارة فاسدة. ثم الزرع إذا لم يدرك، وأراد جواز الإجارة في الأرض. فالحيلة في ذلك: أن يدفع الزرع إليه معاملة، إن كان الزرع لرب الأرض على أن يعمل المدفوع إليه في ذلك بنفسه، وأجرائه وأعوانه على أن ما يرزق الله تعالى من الغلة، فهو بينهما على مئة سهم، سهم من ذلك للدافع، وتسعة وتسعون سهماً للمدفوع إليه، ثم يأذن له الدافع أن يصرف السهم الذي

له إلى مؤنة هذه الضيعة أو شيء أراد، ثم يؤاجر الأرض منه.[1]

"فتاویٰ ہندیہ" میں ہے:

ثم الزرع إذا لم يدرك فأراد جواز الإجارة في الأرض فالحيلة في ذلك أن يدفع الزرع إليه معاملة إن كان الزرع لرب الأرض على أن يعمل المدفوع إليه في ذلك بنفسه وأجرائه وأعوانه على أن ما رزق الله تعالى من الغلة فهو بينهما على مائة سهم من ذلك للدافع وتسعة وتسعون سهما للمدفوع إليه ثم يأذن له الدافع أن يصرف السهم الذي له إلى مؤنة هذه الضيعة أو إلى شيء أراد ثم يؤاجر الأرض منه، وإن كان الزرع لغير رب الأرض ينبغي أن يؤاجر الأرض منه بعد مضي السنة التي فيها الزرع فيجوز وتصير الإجارة مضافة إلى وقت في المستقبل وكذلك الحيلة في الشجر والكرم يدفع الشجر والكرم معاملة. كذا في المحيط.[2]

## باغ بیچتے وقت کچھ درختوں یا پھل کا استثناء کرنا

**مسئلہ:** باغ بیچتے وقت اگر مالک کسی ایک یا چند معین درختوں کا استثناء کرے کہ میں پوری باغ فروخت کرتا ہوں لیکن یہ چند درخت فروختگی کے اس معاملہ میں شامل نہیں ہوں گے تو اس میں شرعاً کوئی مضائقہ نہیں ہے، اگر درخت کو متعین نہیں کیا بلکہ صرف اتنا کہا کہ پورا باغ بیچتا ہوں مگر چند درخت اس عقد میں شامل نہیں ہوں گے اور ان

---

[1] المحيط البرهاني،كتاب الإجارات،الفصل الخامس عشر،ج٧ص٤٧٧.

[2] الفتاوى الهندية،كتاب الإجارة، الباب الخامس عشر، ج٤ص٤٤٦.

درختوں کو متعین نہیں کیا تو یہ شرط لگانا درست نہیں ہے اور اس کی وجہ سے پورا معاملہ فاسد ہوجائے گا۔

**مسئلہ:** بسا اوقات باغ بیچتے وقت مالک کچھ پھل فروٹ کو مستثنی کرلیتا ہے اس کی تین صورتیں ہوسکتی ہیں:

ا۔فیصدی لحاظ سے کوئی معین مقدار مستثنی کرے مثلاً ایک فیصد، پانچ فیصد، دس فیصد،کہ مالک خریدار سے کہے کہ میں آپ پر یہ پورا باغ فروخت کردیتا ہوں مگر پانچ فیصد یا دس فیصد فروٹ۔

اس کا حکم یہ ہے کہ اگر دونوں فریق راضی ہوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

۲۔کوئی لم سم مقدار مستثنی کرے کہ مثلاً دس کلو، ایک من وغیرہ،کہ فروخت کنندہ خریدار سے کہے کہ میں پورا باغ کرتا ہوں مگر اس میں سے ایک من فروٹ فروخت نہیں کرتا وہ میرا ہی رہے گا،اور وہ باغ ایسا ہو جس کے بارے میں یہ اطمینا ن نہ ہو کہ وہ ایک من فروٹ دے گا بھی یا نہیں؟

اس کا حکم یہ ہے کہ یہ معاملہ فاسد ہے۔

۳۔ لم سم مقدار کا استثناء کرے لیکن باغ کے متعلق دونوں فریق کو یقین ہو کہ وہ اس مقدار سے زیادہ فروٹ دے گا، اسکے متعلق دونوں قول ہیں ، بعض فقہاء نے اس کو بھی ناجائز قرار دیا جبکہ بعض فقہاء کے نزدیک یہ صورت جائز ہےعلامہ ابن الہمام ρ وغیرہ حضرات نے پہلے قول کو راجح قرار دیا ،جبکہ بعض فقہاء نے دوسرے قول کی بھی گنجائش دی ہیں چنانچہ حضرت تھانوی ρ نے بھی اسی پر فتویٰ دیا ہے،لہٰذا اس قول پر عمل کرنے کی

بھی گنجائش ہے، "ہدایہ" میں ہے:

"ولا يجوز أن يبيع ثمرة ويستثني منها، أرطالا معلومة" خلافا لمالك رحمه الله؛ لأن الباقي بعد الاستثناء مجهول، بخلاف ما إذا باع واستثنى نخلا معينا؛ لأن الباقي معلوم بالمشاهدة. قال رضي الله عنه: قالوا هذه رواية الحسن وهو قول الطحاوي؛ أما على ظاهر الرواية ينبغي أن يجوز؛ لأن الأصل أن ما يجوز إيراد العقد عليه بانفراده يجوز استثناؤه من العقد.[1]

"اللباب" میں ہے:

(ولا يجوز أن يبيع ثمرة ويستثني منها أرطالا معلومة) ، لأن الباقي بعد الاستثناء مجهول، بخلاف ما إذا استثنى نخلا معينا، لأن الباقي معلوم بالمشاهدة. هداية، ومشى عليه المختار وبرهان الشريعة وصدر الشريعة، وقال في الاختيار: وهو الصحيح، وقيل: يجوز، وخالفه النسفي تبعا للهداية حيث قال بعد ذكر ما في الكتاب قالوا هذه رواية الحسن. وهو قول الطحاوي، أما على ظاهر الرواية فينبغي أن يجوز، لأن الأصل أن ما يجوز إيراد العقد عليه بانفراده يجوز استثناؤه من القعد وبيع قفيز من صبرة جائز، فكذا استثناؤه. اه تصحيح، قال في الفتح: وعدم الجواز أقيس بمذهب الإمام.[2]

---

[1] الهداية،كتاب البيوع،ج٣ص ٢٨.

[2] اللباب في شرح الكتاب،كتاب البيوع،ج٢ ص ١٠

"بحر" میں ہے:

وفي المعراج وقيل رواية الحسن والطحاوي محمولة على ما إذا لم يكن الثمر منتفعا به؛ لأنه ربما يصيبه آفة وليس فيه إلا قدر المستثنى فيتطرق فيه الضرر اهـ. ومحل الاختلاف ما إذا استثنى معينا، فإن استثنى جزءا كربع وثلث، فإنه صحيح اتفاقا، كذا في البدائع، ولذا قال في الكتاب أرطالا معلومة وقيد بقوله منها أي من الثمرة على رءوس النخيل؛ لأنه لو كان مجذوذا واستثنى منه أرطالا جاز اتفاقا وقيد بالأرطال؛ لأنه لو استثنى رطلا واحدا جاز اتفاقا؛ لأنه استثناء القليل من الكثير بخلاف الأرطال لجواز أنه لا يكون إلا ذلك القدر فيكون استثناء الكل من الكل.[1]

## کیڑا لگا پھل فروٹ کھانا

بیر، امرود وغیرہ پھلوں میں بسا اوقات موسم کی تبدیلی وغیرہ عناصر کی وجہ سے کیڑے پڑجاتے ہیں، اس کا حکم یہ ہے کہ کیڑوں کو کھانا شرعاً جائز نہیں ہے،چاہے زندہ حالت میں ہوں یا مردہ ہوں۔ پھل کو صاف کرکے کھایاجائے البتہ اگر اس میں ابھی تک جان ہی نہ پڑی ہو، تو وہ حرام نہیں ہے۔"فتاویٰ قاضی خان" میں ہے:

ولا بأس بدود الزنبور قبل أن ينفخ فيه الروح لأن ما لا روح له لا يسمى

[1] البحر الرائق،كتاب البيوع،ج٥ ص٣٢٨.

ميتة.[1]

"شامی" میں ہے:

لا بأس بدود الزنبور قبل أن ينفخ فيه الروح لأن ما لا روح له لا يسمى ميتة، خانية وغيرها،قال ط ويؤخذ منه أن أكل الجبن أو الخل أو الثمار كالنبق بدوده لا يجوز إن نفخ فيه الروح.[2]

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

[1] فتاوى قاضيخان،كتاب الصيد والذبائح،ج٣ص٢١٣.

[2] حاشية ابن عابدين ،كتاب الذبائح،ج٦ص٣٠٦.

# بابِ چہارم

## منڈی میں خرید وفروخت کے متعلق مسائل واحکام

- ❖ بولی کے مسائل
- ❖ کمیشن کے لین دین کا حکم
- ❖ جانوروں میں شریک ہونے کے مسائل

# بولی کے متعلق چند مسائل

**مسئلہ:** بولی کے ذریعہ خرید وفروخت کا معاملہ کرنا جائز ہے، حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی ایک موقع پر بولی کروائی تھی۔

**مسئلہ:** بولی میں تمام شرکاء حصہ لے سکتے ہیں اور اگر کوئی شریک دوسرے کی بنسبت زیادہ قیمت بتائے تو جائز ہے، یہ اس کی حق تلفی نہیں ہے البتہ اگر کسی شریک نے کوئی قیمت بتائی اور بولی لگانے والا اس پر خاموش ہوا اور اس قیمت پر وہ راضی تھا، تب کسی کا اس سے زیادہ قیمت بتانا مکروہ ہے، احادیثِ مبارکہ میں اس سے ممانعت فرمائی گئی ہے، "مبسوط" میں ہے:

لأن بيع المزايدة لا بأس به على ما روي «أن النبي صلى الله عليه وسلم باع قعبا وحلسا ببيع من يزيد» وصفة بيع المزايدة أن ينادي الرجل على سلعته بنفسه، أو بنائبه ويزيد الناس بعضهم على بعض فما لم يكف عن النداء فلا بأس للغير أن يزيد وإذا ساومه إنسان بشيء فكف عن النداء ورضي بذلك فحينئذ يكره للغير أن يزيد ويكون هذا استياما على سوم الغير.[1]

"محیط" میں ہے:

وإذا أردت أن تعرف الفرق بين الاستيام على سوم الغير، وبين بيع

---

[1] المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارات، ج١٥ ص ٧٦.

المزايدة، فمعرفة ذلك بحرف، وهو أن صاحب المال إذا كان ينادي عن سلعته، فطلبه إنسان بثمن، فإن لم يكف عن النداء فلا بأس لغيره أن يزيد، ويكون هذا بيع المزايدة، ولا يكون استياماً على سوم الغير. وإن كف عن النداء، ويمكن إلى ما طلب منه ذلك الرجل، فليس للغير أن يزيد في ذلك، ويكون هذا استيام على سوم الغير.

**مسئلہ:** خریدو فروخت بلکہ تمام معاملات میں جھوٹ، دھوکہ دہی اور ملاوٹ سے بچنا ضروری ہے، منڈی میں اس کی بہت خلاف ورزی کی جاتی ہے، چنانچہ قیمت خرید بتلانے میں غلط بیانی کرکے زیادہ قیمت بتائی جاتی ہے بلکہ کئی منڈیوں میں صرف قیمت بتانے میں بھی قسم اور طلاق تک کی نوبت آتی ہے حالانکہ یا تو قیمت خرید بتانا ہی نہیں چاہئے یا سچ بولنا ضروری ہے، کریٹ بنانے میں عمدہ پھل فروٹ اوپر رکھا جاتا ہے تاکہ خریدار دیکھ کر اعتماد کرے جبکہ نیچے خراب یا غیرہ معیاری مال رکھا جاتا ہے، اچھے اور خراب، دونوں قسم کے پھل سبزی کو ملا کر اچھا مال باور کرایا جاتا ہے، یہ اور ان جیسی ان تمام صورتوں سے احتراز کرنا ضروری ہے جس میں جھوٹ اور دھوکہ دہی سے کام لیا جاتا ہے۔

**مسئلہ:** سودا کے اندر کوئی پوشیدہ عیب ہے جو خریدار کو معلوم نہیں ہے تو اس کی وضاحت ضروری ہے اور چھپانا گناہ ہے خصوصاً اگر خریدار کسی خاص صفت کی بنیاد پر خرید رہا ہے اور فروخت کرنے والے کو معلوم ہو کہ سودے میں وہ صفت موجود نہیں ہے، "در" میں ہے:

لا يحل كتمان العيب في مبيع أو ثمن؛ لأن الغش حرام.[1]

---

[1] الدر المختار مع حاشية ابن عابدين،كتاب البيوع، باب خيار العيب،ج٥ ص

**مسئلہ:** اگر ہر عیب کی وضاحت کرنا مشکل ہو تو خریدار سے صاف کہا جائے کہ منڈی/دکان میں اچھی طرح تسلی کرو، بعد میں کوئی عیب ظاہر ہو جائے تو ہم اس کے ذمہ دار نہیں ہوں گے، اگر ہر خریدار سے اس طرح کہنا مشکل ہو تو کسی ایسی جگہ ایسا اعلان آویزاں کیا جائے جس کو تمام خریدار دیکھ سکیں، اگر اس کے باوجود کوئی خریداری کرے اور پھر سودے میں کوئی عیب ظاہر ہو جائے تو اس کو سودا واپس کر دینے کا اختیار نہیں ہو گا، اور فروخت کرنے والے پر لازم نہیں ہے کہ اس سے مال واپس لے[1]۔ "تجرید" میں ہے:

قال أصحابنا: إذا باع بشرط البراءة من العيوب كلها، صح البيع والشرط، ولم يجز له الرد بعيب.[2]

## کسی کو ورغلانے کے لئے قیمت بڑھانا

مسئلہ: محض کسی کو ورغلانے کے لئے زیادہ قیمت بتانا شرعاً ممنوع ہے،

---

.٤٧

[1] اس صورت میں خریدار کو سودا واپس کر دینے کا اختیار تو نہیں ہو گا اور فروخت کنندہ پر واپس لینا ضروری بھی نہیں ہے البتہ اگر اس کو معلوم ہے کہ سودے میں عیب موجود ہے اور خریدار اس کو سمجھ نہیں رہا اور عیب بھی ایسا ہے کہ اگر اس کا علم ہو جائے تو گاہک اس کو بالکل نہ خریدتا، تو ایسی صورت میں مسلمان کے ساتھ خیر خواہی اور حسن اخلاق کا تقاضا بہر حال یہی ہے کہ عیب کی وضاحت کی جائے تاکہ خریدار عملی طور پر دھوکہ میں نہ پڑے۔

[2] التجريد للقدوري، كتاب البيوع، البيع بشرط البراءة من العيوب لحلها، ج ٥ ص ٢٤٨٧.

مثلاً زید دل سے کسی چیز کو خریدنا نہیں چاہتا، لیکن جب دیکھا کہ منڈی/دکان میں بکر ٹماٹر کا بھاؤتاؤ کررہا ہے اور ۱۰۰ فی کلو سے زیادہ پر خریدنا نہیں چاہتا تو یہ محض اس کو ورغلانے کے لئے کہتا ہے کہ مجھے فی کلو۱۱۰ روپے کے حساب سے دیدو، ایسا کرنا مکروہ ہے، البتہ اگر کہیں خریدار عام بازاری قیمت سے کم پر اصرار کرتا ہو تو وہاں تیسرے فریق کا بازاری قیمت کی حد تک قیمت بڑھانا جائز ہے،"ہدایہ"میں ہے:

"نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن النجش" وهو أن يزيد في الثمن ولا يريد الشراء ليرغب غيره وقال: "لا تناجشوا".[1]

"فتح القدیر "میں ہے:

(قوله «ونهى رسول الله - صلى الله عليه وسلم - عن النجش» ، وهو أن يزيد في الثمن ولا يريد الشراء ليرغب غيره) بعدما بلغت قيمتها فإنه تغرير للمسلم ظلما، فأما إذا لم تكن بلغت قيمتها فزاد القيمة لا يريد الشراء فجائز؛ لأنه نفع مسلم من غير إضرار بغيره إذ كان شراء الغير بالقيمة.[2]

امام سرخسی ρ "نجش" کی وضاحت کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

والمراد بالنجش الإثارة ومنه سمي الصياد ناجشا؛ لأنه ينثر الصيد عن أوكارها فالمراد أن يطلب السلعة بثمن يعلم أنها لا تساوي ذلك ولا

[1] الهداية ،باب البيع الفاسد، فصل: فيما يكره،ج ٣ ص ٥٣.
[2] فتح القدير،باب البيع الفاسد، فصل: فيما يكره،ج ٦ ص ٤٧٦.

يقصد شراءها وإنما يقصد أن يرغب الغير في شرائها به وهذا من باب الخداع والغرور.[1]

## کمیشن کا حکم اور اس کی شرائط

**مسئلہ:** منڈی میں آڑھتی/دلال جب کسی کی طرف سے خرید وفروخت کا معاملہ کرتا ہے یا خریدار وفروخت کنندہ کے درمیان واسطہ بن کر دونوں کو آپس میں ملاتا ہے تو اس پر عموماً وہ کچھ کمیشن لیتا ہے، اس کا حکم یہ ہے کہ اپنے کسی جائز خدمت کے بدلے کمیشن وصول کرنا جائز ہے تاہم اس میں مندرجہ ذیل شرائط کا لحاظ رکھنا ضروری ہے:

**الف:** دلال اگر کسی ایک فریق کی طرف سے باقاعدہ خریدنے یا بیچنے کا وکیل بنے یعنی اس کی طرف سے حتمی معاملہ کرتا ہو تو اسی سے کمیشن وصول کرے، دوسرے فریق سے کمیشن لینے کا حق نہیں ہے، اگر باقاعدہ کسی کی طرف سے وکیل نہ ہو بلکہ دونوں کو صرف آپس میں ملائے، باقی حتمی معاملہ فریقین خود ہی انجام دیتے ہوں تو اس صورت میں دونوں فریق سے بھی کمیشن وصول کرنے کی گنجائش ہے۔

**ب:** کمیشن لینے کی وجہ سے کسی نووارد کو کسی خاص شخص یا دکان سے خریداری کرنے پر مجبور نہ کیا جائے، زیادہ سے زیادہ ترغیب دے سکتا ہے اور چاہے تو جس چیز کو خریدنا مقصود ہو اس کی واقعی صفات بیان کی

---

[1] المبسوط للسرخسي، كتاب الإجارات، ج١٥ ص٧٦.

جاسکتی ہیں۔

**ج:** کمیشن کی مقدار پہلے سے باہمی اتفاق کے ساتھ متعین کی جائے چاہے وہ لم سم مقدار میں ہو یا فیصدی لحاظ سے، کہ مثلاً یہ کہے" میں آپ کا مال کسی کے ہاتھ فروخت کردوں گا/آپ کے لئے فلاں قسم کا مال خریدوں گا اور اسکے بدلے آپ ۱۰۰۰ ہزار روپے کمیشن دو گے/ یا سودے کی قیمت میں سے ۵ پانچ فیصد بطور کمیشن دو گے"۔

**د:** اس پورے معاملہ میں جھوٹ، غلط بیانی اور دھوکہ دہی سے مکمل طور پر احتراز کیاجائے،بسااوقات کمیشن ایجنٹ کسی ایک فریق سے مل کر سمجھوتہ کرلیتا ہے اورغلط بیانی سے کام لیکر دوسرے فریق کے ہاتھ مہنگے دام یا غیر معیاری سودا فروخت کردیتا ہے، ایسا کرنا شرعاً جائز نہیں ، اس لئے اس سے بچنا ضروری ہے،"جامع الفصولین"میں ہے:

ولو سعى الدلال بينهما فباع المالك بنفسه يعتبر العرف فتجب الدلالية على البائع أو على المشتري أو عليهما بحسب العرف.[1]

"شامی"میں ہے:

قال في التتارخانية: وفي الدلال والسمسار يجب أجر المثل، وما تواضعوا عليه أن في كل عشرة دنانير كذا فذاك حرام عليهم. وفي الحاوي: سئل محمد بن سلمة عن أجرة السمسار، فقال: أرجو أنه لا بأس به وإن كان في الأصل فاسدا لكثرة التعامل وكثير من هذا غير جائز، فجوزوه

---

[1] جامع الفصولين،أحكام الدلال،ج٢ص١١٤.

لحاجة الناس إليه كدخول الحمام وعنه قال: رأيت ابن شجاع يقاطع نساجا ينسج له ثيابا في كل سنة.[1]

## جرگہ کے ذریعے زبردستی کچھ رقم معاف کروانا

بعض منڈیوں میں یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ اگر ایک نے دوسرے سے ادھار مال خرید لیا ،جب فروخت کنندہ حق مانگنے جاتا ہے توخریدار انکار کرتا ہے کہ اس پر جرگہ کرتے ہیں ورنہ میں نہیں دیتا، اس کی وجہ سے فروخت کنندہ مجبور ہوجاتا ہے اور قرض دار یوں جرگہ کے ذریعے آدھا حق یا اس سے کچھ کم رقم معاف کرواکر بقیہ رقم دیدیتا ہے۔ ایسا کرنا شرعاً ناجائز اور سخت گناہ کی بات ہے ، جب معلوم ہے کہ فروخت کنندہ کا میرے ذمہ قرض باقی ہے تو اس کو خواہ مخواہ جرگہ اور کچھ رقم معاف کروانے پر مجبور کرنا بالکل جائز نہیں ہے ، بلکہ جب ادھار کی مدت پوری ہوجائے تو اس کو اپنا پورا حق دیدینا لازم ہےاور بلا وجہ اس میں تاخیر کرنا ،اس کو پریشان کرنا ، قرض واپس نہ کرنے کی دھمکی دینا ناجائز اور سخت گناہ کی بات ہے جس سے احتراز کرنا لازم ہے۔

امام ذہبی ρ کی طرف منسوب "الکبائر" میں ہے:

الكبيرة الثالثة والخمسون أذى المسلمين وشتمهم: قال الله تعالى والذين يؤذون المؤمنين والمؤمنات بغير

---

[1] الدر المختار مع حاشية ابن عابدين، كتاب الإجارة، مطلب في أجرة الدلال، ج٦ ص ٦٣.

ما اكتسبوا فقد احتملوا بهتانا وإثما مبينا}[1]

"سنن کبریٰ "میں ہے:

عن أبي حرة الرقاشي، عن عمه، أن رسول ﷺ قال: " لا يحل مال امرئ مسلم إلا بطيب نفس منه "

## فی بھینس کے کاروبار میں شریک ہونے کا طریقہ کار

**مسئلہ:** مویشی منڈی میں بسااوقات ایسا ہوتاہے کہ زید بھینسیں خرید نا چاہتا ہے تاکہ اس کو پال کر بیچےاور نفع کمائے، لیکن اس کے پاس اتنی رقم موجود نہیں ہوتی تو خالداس کو دس لاکھ روپےدیدیتا ہے اور فی بھینس لم سم نفع مقرر کرلیتےہیں کہ مثلاً مجھےفی بھینس ۱۰۰۰۰دس ہزار روپےنفع دو گے، اس میں شرعی لحاظ سےایک خرابی تو یہی ہےکہ نفع لم سم طور پر مقرر کیاگیا ہےجبکہ شرکت یا مضاربت میں فیصدی لحاظ سے نفع کا تعین کرنا ضروری ہوتاہے۔ دوسری بڑی خرابی یہ ہےکہ اس طرح رقم کا لین دین عموماً بطورِ قرض ہوتا ہے چنانچہ زید بھی قرض مانگتا ہے اور خالد بھی قرض کہہ کردیتا ہےاور بھینس وغیرہ مرجائے یا نقصان ہوجائے تو خالد اس میں شریک نہیں ہوتا، اس لئے یہ معاملہ جائز نہیں۔

اس کا جائز طریقہ یہ ہے کہ خالد یا تو یہ رقم شرکت یا مضاربت کے طور پر دیدے ،اگر زید کے پاس بھی کچھ رقم شامل کرنا چاہے تو شرکت

---

[1] الكبائر للذهبي ،ص: ٢٠٩.

کامعاملہ کریں ورنہ تو مضاربت اختیار کریں ،بہرصورت شرکت کرنی ہو یا مضاربت ، دونوں کے احکام ومسائل کی پوری رعایت رکھیں کہ مثلاً نفع فیصدی لحاظ سے مقرر ہو اور شرکت کی صورت میں نقصان سرمایہ کے بقدر، جبکہ مضاربت کی صورت میں تمام نقصان سرمایہ دینے والے کے ذمہ ہو۔

دوسری جائز صورت یہ ہے کہ خالد زید کے ساتھ جائے اور بھینس کی خریداری کا حتمی معاملہ خود ہی انجام دیدے یا اپنی طرف سے کسی کو نمائندہ بناکر بھیج دے جو اس کی طرف سے وکیل بن کر بھینس خریدلے، خریدنے کے بعد تمام بھینسوں کو اپنے قبضہ میں لائے اور پھر زید کے ہاتھ نفع کے ساتھ ادھار فروخت کرے، نفع باہمی اتفاق سے خواہ کتنا ہی مقرر ہو، جائز ہے،"**مجمع الانہر**" میں ہے:

(لا يصح بيع المنقول قبل قبضه) لنهيه عليه الصلاة والسلام عن بيع ما لم يقبض ولأن فيه غرر انفساخ العقد على اعتبار الهلاك.[1]

"**مبسوط**"میں ہے:

ليس لمشتري الطعام أن يبيعه قبل أن يقبضه لما روي أن النبي صلى الله عليه وسلم «نهى عن بيع الطعام قبل أن يقبض» وكذلك ما سوى الطعام من المنقولات لا يجوز بيعه قبل القبض عندنا.[2]

---

[1] مجمع الأنهر،كتاب البيوع، باب المرابحة والتولية،ج٢ص ٧٩.

[2] المبسوط للسرخسي،كتاب البيوع، باب البيع الفاسدة،ج١٣ ص ٨.

## بیعانہ کی رقم واپس کرنا

**مسئلہ:** زید، ماجد سے کئی لاکھ روپے کے پھل فروٹ خریدنا چاہتا ہے، حتمی طور پر ابھی خریداری کا معاملہ پورا نہیں ہوا لیکن ماجد اس سے پیشگی (بیعانہ/ایڈوانس) رقم کا مطالبہ کرتا ہے تاکہ زید پھر اپنے کہنے سے نہ پھرے، پیشگی رقم دیدینے کے بعد اگر زید مطلوبہ پھل نہیں خریدتا تو ماجد وہ رقم سوخت کرلیتا ہے اور زید کو واپس نہیں کرتا جس کو "پشیمانی" (ندامت کی رقم) کہاجاتا ہے۔

ایسا کرنا شرعاً درست نہیں ، پیشگی رقم لینے کی بہت سے اہلِ علم کے نزدیک گنجائش ہے لیکن معاملہ نہ ہونے کی صورت میں اس کو سوخت کرنا بالاتفاق درست نہیں، لہٰذا ماجد کی ذمہ داری ہے کہ زید کو اپنی رقم واپس کردے،"النتف"میں ہے:

والثاني والعشرون بيع العربان ويقال الإربان وهو أن يشتري الرجل السلعة فيدفع إلى البائع دراهم على أنه إن أخذ السلعة كانت تلك الدراهم من الثمن وإن لم يأخذ فيسترد الدراهم.[1]

علامہ ابن عبد البر ρ ایک حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں:

قال مالك في موطئه بإثر ذكره لهذا الحديث قال مالك وذلك في ما نرى والله أعلم أن يشتري الرجل العبد أو الوليدة أو يتكارى الدابة ثم يقول للذي اشتراه منه أو تكارى منه أعطيك دينارا أو درهما أو أكثر من ذلك

[1] النتف في الفتاوى،كتاب البيوع، أنواع البيوع الفاسدة،ج١ص ٤٧٢.

أو أقل على أني إن أخذت السلعة أو ركبت ما تكاريت منك فالذي أعطيتك هو من ثمن السلعة أو من كراء الدابة وإن تركت ابتياع السلعة أو كراء الدابة فما أعطيتك لك باطل بغير شيء. قال أبو عمر على قول مالك هذا جماعة فقهاء الأمصار من الحجازيين والعراقيين منهم الشافعي والثوري و أبو حنيفة والأوزاعي والليث لأنه من بيع القمار والغرر والمخاطرة وأكل المال بغير عوض ولا هبة وذلك باطل وبيع العربان منسوخ عندهم إذا وقع قبل القبض وبعده وترد السلعة إذا كانت قائمة فإن فاتت رد قيمتها يوم قبضها وعلى كل حال يرد ما أخذ عربانا في الكراء والبيع.[1]

[1] التمهيد لما في الموطأ من المعاني والأسانيد، ج٢٤ ص ١٧٨ .

# ضمیمہ برائے تحقیقی مسائل

## مزارعت میں مصارف واخراجات کے متعلق ایک تحقیق

مزارعت کامعاملہ ہوجانے کے بعد کھیتی باڑی کرنے اور غلہ حاصل کرنے کے سلسلہ میں مختلف قسم کے اخراجات کرنے پڑتے ہیں، پہلے زمانے کی بنسبت یہ اخراجات آج کل زیادہ ہوتے جاتے ہیں، کھیتی کے لئے زمین ہموار کرنا، کھاد/سونا یوریا ڈالنا، مختلف قسم کے سپرے لگانا، کیڑے مار دوائی کا خرچہ، کھیت میں خود پانی کا انتظام نہ ہوتو پانی خریدنا،چوروں سے حفاظت کی ضرورت ہو تو چوکیدار وغیرہ کا انتظام کرنا، غلہ حاصل ہونے کے بعد کٹائی ،چنائی ،صفائی اور اس کے علاوہ دیگر مختلف قسم کے اخراجات کی ضرورت پیش آتی ہے، اب تحقیق طلب مسئلہ یہ ہے کہ یہ اخراجات زمیندار کے ذمہ ہے یا کاشت کار اس کا ذمہ دار ہے یا دونوں آپس میں تقسیم کرسکتے ہیں؟

اصولی طور ان اخراجات کی دوقسمیں ہیں:

1. ایک قسم ان اخراجات کی ہے جس کا تعلق کھیتی کے شروع سے لیکر غلہ حاصل ہونے اور پھل پکنے تک کے ساتھ ہے۔
2. دوسری قسم وہ اخراجات ہیں جو غلہ برابر ہونےاور کھیت پکنے کے بعد ہوتے ہیں۔

اس دوسری قسم کی اخراجات کا حکم تو ظاہرہے کہ جب کھیتی پک گئی اور پھل حاصل ہوگیا تو اب دونوں فریق اس میں اپنے حصہ کےبقدر

شریک ہوگئے لہٰذا ہر فریق پر اپنے حصہ کے بقدر خرچہ لازم ہے
،"قدوری"متن میں ہے:

وأجرة الحصاد والرفاع والدياس والتذرية عليهما بالحصص، فإن شرطاه في المزارعة على العامل فسدت.[1]

"ہدایہ" میں ہے:

قال: "وكذلك أجرة الحصاد والرفاع والدياس والتذرية عليهما بالحصص. فإن شرطاه في المزارعة على العامل فسدت " وهذا الحكم ليس بمختص بما ذكر من الصورة وهو انقضاء المدة والزرع لم يدرك بل هو عام في جميع المزارعات. ووجه ذلك أن العقد يتناهى بتناهي الزرع لحصول المقصود فيبقى مال مشترك بينهما ولا عقد فيجب مؤنته عليهما.[2]

"الاختیار"میں ہے:

قال: (وأجرة الحصاد والرفاع والدياس والتذرية عليهما بالحصص) ؛ لأن العقد انتهى بانتهاء الزرع؛ لحصول المقصود، فبقي مالا مشتركا بينهما بغير عقد، فتكون مئونته عليهما. فإن أنفق أحدهما بغير إذن الآخر ولا أمر القاضي فهو متبرع؛ إذ لا ولاية له عليه.

(ولو شرطا ذلك على العامل لا يجوز) وأصله أنه متى شرط في المزارعة ما ليس من أعمالها فسدت؛ لأنه شرط لا يقتضيه العقد، وفيه نفع لأحدهما،

---

[1] اللباب في شرح الكتاب،كتاب المزارعة،ج٢ص ٢٣٢ .
[2] الهداية في شرح بداية المبتدي،كتاب المزارعة،ج٤ص ٣٤١.

فصار كاشتراط الحمل عليه.[1]

پہلی قسم کی اخراجات کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں: ایک یہ کہ عقد کا دورانیہ ختم نہیں ہوا بلکہ اس کے اندر اندر اخراجات برداشت کرنے کی ضرورت ہے ۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عقد کی مدت پوری ہوگئی ،لیکن ابھی تک کھیتی یا پھل پکا نہیں ہے بلکہ ہنوز اس کو برقرار رکھنے کی ضرورت ہے اور اس کے لئے اخراجات بھی کرنے پڑتے ہیں۔

اس دوسری صورت کے حکم میں بھی تقریباً اکثر فقہاء کا اتفاق ہے کہ ہر فریق پر اپنے حصہ کے مطابق مصارف لازم ہوں گے، چنانچہ "اختیار"میں ہے:

وإذا انقضت المدة، ولم يدرك الزرع - فعلى المزارع أجرة نصيبه من الأرض حتى يستحصد، ونفقة الزرع عليهما حتى يستحصد. قال: (ونفقة الزرع عليهما حتى يستحصد) ؛ لانتهاء العقد، فصار عملا في مال مشترك، فيكون عليهما.[2]

"ملتقی"متن میں ہے:

وإن تمت مدتها قبل إدراك الزرع فعلى العامل أجر مثل حصته من الأرض حتى يدرك ونفقة الزرع عليهما بقدر حصصهما.[3]

---

[1] الاختيار لتعليل المختار،كتاب المزارعة،ج٣ص٧٨.
[2] الاختيار لتعليل المختار،كتاب المزارعة،ج٣ص٧٩.
[3] ملتقى الأبحر ،كتاب المزارعة،ص١٤٥.

"تبیین" میں ہے:

(ونفقة الزرع عليهما بقدر حقوقهما كأجرة الحصاد والرفاع والدياس والتذرية) أي يجب عليهما نفقة الزرع على قدر ملكهما بعد انقضاء مدة المزارعة كما يجب عليهما أجرة الحصاد والرفاع والدياسة مطلقا من غير قيد بانقضاء مدة المزارعة.[1]

رہا مسئلہ پہلی قسم کی پہلی صورت والی اخراجات کا، یعنی وہ اخراجات جن کی ضرورت کھیتی پکنے سے پہلے تک ہوتی ہے اور مزارعت کی مدت کے اندر اندر ہوں، یہ اخراجات کس کے ذمہ ہوں گے؟ اس بات میں ہمارے فقہاء حنفیہ کی کتابوں میں اختلاف ہے ، بعض بلکہ اکثر کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے کہ جس طرح اس دورانیہ میں کھیتی باڑی کی محنت وخدمت کاشت کار کے ذمہ ضروری ہے یوں ہی اس قسم کے اخراجات بھی اسی کے سر عائد ہوں گے،"در مختار" میں ہے:

(و) اعلم أن (نفقة الزرع) مطلقا بعد مضي مدة المزارعة (عليهما بقدر الحصص) وأما قبل مضيها فكل عمل قبل انتهاء الزرع كنفقة بذر ومؤنة حفظ وكري نهر على العامل ولو بلا شرط، فإذا تناهى بقي مالا مشتركا بينهما، فتجب عليهما مؤنته كحصاد ودياس، كذا حرره المصنف، وحمل عليه أصل صدر الشريعة فليحفظ.[2]

"ہدایہ" میں ہے:

---

[1] تبيين الحقائق،كتاب المزارعة،ج٥ ص ٢٨٣ .

[2] الدر المختار مع حاشية ابن عابدين،كتاب المزارعة،ج٦ ص ٢٨١ .

فالحاصل: أن ما كان من عمل قبل الإدراك كالسقي والحفظ فهو على العامل، وما كان منه بعد الإدراك قبل القسمة فهو عليهما في ظاهر الرواية كالحصاد والدياس وأشباههما على ما بيناه[1]

علامہ شلبی ρ "مختصر کرخی" کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:

(قوله في المتن: ونفقة الزرع عليهما بقدر حقوقهما إلخ) حاصل الكلام هنا على ثلاثة أوجه ذكرها الكرخي في مختصره ما كان قبل بلوغ الزرع ما يصلح به الزرع فهو على العامل وما كان بعد ما تناهى الزرع فهو عليهما وما كان بعد القسمة فهو على كل واحد منهما في نصيبه خاصة دون صاحبه إلى هنا لفظ الكرخي - رحمه الله - وذلك لأن كل ما يحتاج إليه الزرع قبل بلوغ الزرع مما يصلح به فهو على العامل لأن ذلك عمل المزارعة، وهو معقود عليه من جهة المزارع فيختص به، وكل ما يحتاج إليه بعد تناهي الزرع فهو عليهما على قدر حصصهما فكذلك النفقة وما يحتاج إليه بعد القسمة فهو على كل واحد منهما في نصيبه لأن نصيب كل واحد منهما قد تميز فيكون مؤنته عليهما خاصة. اه- أتقاني.[2]

اس کے علاوہ یہ بات دیگر بہت سی کتابوں میں بھی ذکر کی گئی ہے۔

لیکن علامہ کاسانی ρ نے"بدائع" میں ان مصارف کو صرف کاشت کار پر نہیں بلکہ دونوں کے ذمہ اپنے حصہ کے بقدرضروری قرار

---

[1] الهداية في شرح بداية المبتدي ،كتاب المزارعة،ج٤ ص ٣٤١.

[2] حاشية الشلبي على التبيين ،كتاب المزارعة،ج٥ ص٢٨٣.

دیا، گویا کہ اس تشریح وتفصیل کے مطابق عمل اور خرچہ کے درمیان فرق کیا گیا کہ کھیتی پکنے تک کا عمل تو مکمل طور پر کاشت کار کی ذمہ داری ہے لیکن اخراجات ومصارف صرف اس پر نہیں لازم نہیں ہوتے بلکہ دونوں فریق پر اپنے اپنے حصہ کے مطابق عائد ہوں گے،" بدائع"کی عبارت یہ ہے:

(منها) : أن كل ما كان من عمل المزارعة مما يحتاج إليه لإصلاحه فعلى المزارع؛ لأن العقد تناوله وقد بيناه. (ومنها) : أن كل ما كان من باب النفقة على الزرع من السرقين وقلع الحشاوة، ونحو ذلك فعليهما على قدر حقهما، وكذلك الحصاد والحمل إلى البيدر والدياس وتذريته؛ لما ذكرنا أن ذلك ليس من عمل المزارعة حتى يختص به المزارع.[1]

"بدائع"کی اس بات کو "فتاویٰ ہندیہ"وغیرہ بعض دیگر کتابوں میں بھی نقل کیا گیا ہے۔

اصولی طور پر اگر غور کرلیاجائے تو دونوں ہی باتیں اپنی جگہ درست ہیں ، پہلے قول کی وجہ توظاہر ہے کہ کاشت کار کے ذمہ عمل کرنا لازم ہے اور عمل ان چیزوں کو مہیا کرنے پر موقوف ہے لہٰذا اگر اس پر مصارف آتے ہیں تو اس کی حیثیت عمل کے لئے موقوف علیہ جیسی ہے یعنی گویا کہ کاشت کار کی ذمہ داری ان اخراجات کو برداشت کرنے پر موقوف ہے اس لئے یہ اخراجات بھی اسی کے ذمہ لازم ہونے چاہئے۔

لیکن ساتھ اگر اس پہلو پر بھی پوری طرح غور کرلیاجائے کہ

[1] بدائع الصنائع،كتاب المزارعة،ج٦ ص١٨٢ .

(چند احکام کے استثناء کے ساتھ ) مزارعت کی حقیقت ابتداءً عقدِ اجارہ کی ہے جہاں اجیر کسی عمل کی وجہ سے اجرت کا مستحق بن جاتا ہے اور وہ عمل کیسا اور کیونکر ہو؟ یہ بات فریقین کی رضامندی پر موقوف ہے کہ وہ دونوں چاہیں تو کسی بھی جائز عمل کو متعین کر کے اس پر عقدِ اجارہ کریں ، یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ وہ عمل مقدار وکیفیت کے لحاظ سے عام رواج کے مطابق ہو ، اس جانب کو دیکھتے ہوئے اگر عقدِ مزارعت میں بھی فریقین باہمی اتفاق سے کاشت کار کے عمل کا تعین کریں تو اس میں بظاہر کوئی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا جب تک اس تعین کی وجہ سے مزارعت کی دیگر شرائط (مثلاً زمین اور کاشت کار کے درمیان تخلیہ کرنے کی شرط) میں کوئی خلل لازم نہ آئے، لہٰذا اگر فریقین باہمی رضامندی سے طے کرتے ہیں کہ کاشت کار پورا خرچہ صرف اپنے طور پر برداشت نہ کرے بلکہ دونوں اپنے حصہ کے مطابق اس کو برداشت کریں البتہ جانی اور بدنی محنت صرف کاشت کار ہی کے ذمہ ہو،تو بظاہر اس میں کوئی شرعی محذور لازم نہیں آتا اس لئے اس کی گنجائش ہونی چاہئے ۔"بدائع"وغیرہ کی عبارات اسی پر محمول ہیں۔

اس بات کی ایک نظیر شاید یہ بھی ہوسکتی ہے کہ کھیتی پکنے کے بعد سے لیکر اس کی کٹائی اور حفاظت تک جتنی محنت کرنی پڑتی ہے وہ اصول کے مطابق کاشت کار کے ذمہ لازم نہیں ہے چنانچہ یہ ضابطہ اتفاقی ہے کہ کاشت کار پر صرف کھیتی پکنے تک کا عمل لاز م ہے ، پکنے کے بعد تو وہ مال مشترک بن جاتا ہے جس کی خدمت ہر شریک پر اس کے حصہ کے مطابق عائد ہوتی ہے، لیکن عرف وتعامل کی وجہ سے امام ابویوسف وغیرہ ائمہ کرام

رحمہم اللہ نے اس کو جائز قرار دیا اور مبسوط وغیرہ کتابوں میں اسی قول کے مطابق فتویٰ بھی دیا گیا ہے اور ابھی عام طور پر یہی قول معمول بہ بھی ہے، حالانکہ ضابطہ کے لحاظ سے بالاتفاق یہ شرط مفسد ہے، "تبیین" میں ہے:

وعن أبي يوسف أن المزارعة مع شرط الحصاد والدياس والتذرية جائزة، ومشايخ بلخ كانوا يفتون بهذه الرواية ويزيدون على هذا، ويقولون يجوز شرط التنقية والحمل إلى منزله على العامل؛ لأن المزارعة على هذا الشرط متعامل بين الناس ويجوز ترك القياس بالتعامل ألا ترى أن الاستصناع يجوز للتعامل واختار شمس الأئمة السرخسي رواية أبي يوسف وقال هو الأصح في ديارنا.[1]

اس تفصیل کی روشنی میں راجح یہی معلوم ہوتا ہے کہ جہاں کہیں اس بات کا عرف وتعامل ہو اور کھیتی پکنے تک کے اخراجات زمیندار وکاشت کار برابر برداشت کرتے ہوں ، وہاں اس قسم کے اخراجات کو آدھے آدھ برداشت کرنے کا معاملہ کرنا درست ہے اور محض اس کی وجہ سے معاملہ فاسد یا ناجائز نہیں ہوگا، بعض اہلِ علم پانی کے خرچہ کو اس سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں کہ دیگر اخراجات کو تو نصف نصف برداشت کرنا جائز ہے لیکن پانی کا خرچہ بہر حال کاشت کار کے ذمہ ہے اور وہ مالک زمین کے سر ڈالنا جائز نہیں، لیکن غور وفکر کرنے کے باوجود اس تخصیص کی کوئی معقول وجہ معلوم نہیں ہو سکی۔

---

[1] تبيين الحقائق ،كتاب المزارعة،ج٥ ص ٢٨٣.

# مشترکہ طور پر تخم مقرر کرنے کا مسئلہ

بہت سے علاقوں میں مزارعت کی یہ صورت بکثرت رائج ہے کہ تخم دونوں فریق کے ذمہ مقرر ہوتا ہے دونوں ہی فریق کی طرف سے تخم آدھا آدھا شامل کیا جاتا ہے، یہ جائز ہے یا نہیں؟ ضابطہ کے لحاظ سے ایسا کرنا درست نہیں ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ یہاں مالک زمین کی طرف سے زمین اور آدھا تخم دیا جارہا ہے اور کاشت کار کی طرف سے محنت اور آدھا تخم۔ اب اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ دونوں طرف سے ایک دوسرے کو جو کچھ ملتا ہے اس کو تبرع پر حمل کرلیا جائے کہ مالک زمین آدھی زمین تبرعاً مہیا کررہا ہے اور کاشت کار بھی آدھی محنت یعنی مالک زمین کے حصہ کی حد تک محنت احساناً انجام دے رہا ہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ عقد معاوضہ پر محمول کرلیا جائے۔

پہلا احتمال اس لئے درست نہیں ہے کہ ان جیسے معاملات میں جانبین کی طرف سے احسان و تبرع کا پہلو موجود نہیں ہوتا نہ ہی اس کے مقتضیات پر عمل ہوتا ہے چنانچہ مالک زمین تبھی آدھی زمین دینے کا تبرع کرے گا جب کاشت کار کی طرف سے اس کو آدھی محنت مفت حاصل ہو جائے یوں ہی کاشت کار بھی ہر شخص کے لئے مفت محنت انجام نہیں دیتا بلکہ اسی شرط پر مفت خدمت کرے گا جبکہ اس کو آدھی زمین مفت دیدی جائے اور ظاہر ہے کہ جانبین کی طرف سے اس صورت حال کے ہوتے ہوئے اس کو تبرع نہیں قرار دیا جاسکتا، لہٰذا دوسرا احتمال ہی راجح ہے کہ اس کو معاملہ قرار دیا جائے اور اس احتمال کی صورت میں یہ خرابی ہے کہ دو عقود کو ایک

ساتھ جمع کیاجارہا ہے جو کہ شرعاً ممنوع ہے ،بعض روایات میں بھی اس کی ممانعت کی گئی ہے۔

سننِ ترمذی میں ہے:

عن أبي هريرة قال: نهى رسول الله صلى الله عليه وسلم عن بيعتين في بيعة.[1]

علامہ خطابی ρ نےاس ممانعت کی دو صورتیں لکھی ہیں، دوسری صورت بیان کرتےہوئے تحریر فرماتےہیں:

قال الشيخ وتفسير ما نهي عنه من بيعتين في بيعة .. والوجه الاخر: أن يقول بعتك هذا العبد بعشرين ديناراً على أن تبيعني جاريتك بعشرة دنانير، فهذا أيضاً فاسد لأنه جعل ثمن العبد عشرين ديناراً وشرط عليه أن يبيعه جاريته بعشرة دنانير، وذلك لا يلزمه وإذا لم يلزمه سقط بعض الثمن وإذا سقط بعضه صار الباقي مجهولا.[2]

"شرح مختصر جصاص"میں ہے:

(ومن باع عبده من رجلا بثمن، على أن يبيعه الآخر عبد بثمن ذكراه: لم يجز البيع في واحد من بيعتي العبدين المذكورين). وذلك "لنهي النبي صلى الله عليه وسلم عن بيعتين في بيعة".[3]

---

[1] سنن الترمذي ت بشار،باب ما جاء في النهي عن بيعتين في بيعة.

[2] معالم السنن،باب من باع بيعتين في بيعة،ج٣ص١٢٣ .

[3] شرح مختصر الطحاوي للجصاص،باب المصراة وغيرها،ج٣ص٩٩ .

بیشتر حضرات فقہاء کرام نے اسی پہلو کی روشنی میں مزارعت کی اس صورت کو صراحۃً ناجائز قرار دیا، مثلاً امام محمد ρ فرماتے ہیں:

وإذا دفع الرجل إلى الرجل أرضاً على أن يعمل المدفوعة إليه فيها بنفسه وبقره سنته هذه، على أن البذر منهما نصفين، فعمل على هذا، فأخرجت الأرض طعاماً كثيراً، فإن هذه مزارعة فاسدة.[1]

"بدائع" میں ہے:

ومنها أن يشترط في عقد المزارعة أن يكون بعض البذر من قبل أحدهما والبعض من قبل الآخر وهذا لا يجوز لأن كل واحد منهما يصير مستأجرا صاحبه في قدر بذره فيجتمع استئجار الأرض والعمل من جانب واحد وأنه مفسد.[2]

"النتف" میں ہے:

والحادي عشر(أى من الشروط المفسدة للعقد، من الفقير) أن يشترط على أن نصف البذر من رب الأرض ونصفه من المزارع والزرع بينهما نصفان أو أثلاثا أو أرباعا ونحوها.[3]

---

[1] كتاب الأصل،باب المزارعة تكون الأرض من الرجل والعمل من آخر والطعام منهما جميعاً والعمل منهما جميعاً،ج۹ص۵٤۳.
[2] بدائع الصنائع ،كتاب المزارعة،ج٦ص۱۸۰.
[3] النتف في الفتاوى ،ج۲ ص۵۵۱.

## امام ابویوسف ρ کا قول

البتہ امام ابو یوسف ρ نے اس صورت کو بلا کسی قید وشرط کو جائز قرار دیا ہے چنانچہ آپ کی "کتاب الخراج" میں ہے:

قال أبو يوسف: والمزارعة عندنا على وجوه: منها عارية ليس فيها إجارة ... ووجه آخر: تكون الأرض للرجل فيدعو الرجل إلى أن يزرعها جميعا والنفقة والبذر عليهما نصفان؛ فهذا مثل الأول الزرع بينهما والعشر في الزرع إن كانت أرض عشر، وإن كانت أرض خراج فالخراج على رب الأرض.[1]

اب اس عبارت کو یا تو دوسرے قول پر حمل کرلیناچاہئے گویا کہ فقہاء حنفیہ کی اس مسئلہ میں دونوں قول ہیں ،ایک تویہی جواز والا قول جوکہ کتاب الخراج میں ذکر ہے اور دوسرا قول عدم جواز کا ہے جو بدائع وغیرہ متعدد کتابوں میں مذکور ہے اور چونکہ یہ دوسرا قول پہلے کی بنسبت زیادہ قوی ہے اس لئے اسی پر عمل کرلینا چاہئے یا یوں تطبیق کرلیناچاہئے کہ اصل مذہب تویہی عدم جواز کا ہے البتہ اگر کہیں اس کا تعامل عام ہوجائے اور ایسا کرنا موجب نزاع نہ ہو تو اس کی گنجائش ہوگی جس کی بنیاد یہ ہے کہ

---

[١] الخراج لأبي يوسف- فصل: في إجارة الأرض البيضاء وذات النخل، ص:١٠٣

.حضرت مولانا نور محمد شہید ρ نے امام ابو یوسف ρ کی اس عبارت کی بناپر تخم مشترک طور پر مقرر کرنے کی اجازت دی ہے اور اس کو بالاتفاق جائز قرار دیا ہے، ملاحظہ ہو ان کی کتاب "جدید فقہی مسائل ورسائل" ص45تا48۔

ایک عقد میں دوسرے عقد کو جمع کرنے کی ممانعت کی اصل بنیاد یہ ہے کہ ایسا کرنا شرط فاسد ہے اور شرط فاسد کے متعلق یہی ضابطہ ہے کہ اگر کہیں اس کا عام رواج ہو جائے تو وہ شرط پھر مفسد برقرار نہیں رہ پاتی ۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆